خدام الدین

لاہور
پاکستان

پاسبانِ حرم

شاہ فیصل شہیدؒ

پاسبانِ حرم کو حرم کے بعد سب سے زیادہ محبت پاکستان سے تھی اور وہ خطۂ زمین جو اپنوں کی غداری اور غیروں کی ہشیاری سے پاکستان سے کٹ گیا اسے پاکستان نے تو تسلیم کر لیا لیکن پاسبانِ حرم نے اسے آج تک تسلیم نہیں کیا تھا۔ عالمِ اسلام کے یہ محسن ایک "پاگل" شہزادے کی گولی سے شہید ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

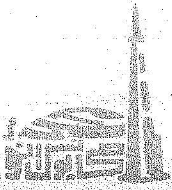
مظہرِ نورِ سعادت تھی شہادت کی قبا
تیرے خوں نے اس قبا کو اور تاباں کر دیا

(مکمل مضمون صــــ پر)

۶۰ پیسے

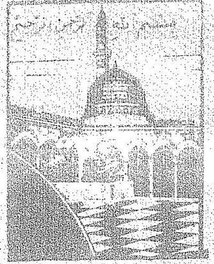
مطبوعات انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور، پاکستان

فون ۶۷۵۴۵



تعطیب مسجد شہداء
شاہراہ قائد اعظم لاہور

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم



آپس میں ہر شخص کو سلام کیا کرو محبت پیدا ہوگی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا، اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰی شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ۔ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَكُمْ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تم ایمان نہیں لاؤگے جنت میں نہیں جاؤگے اور جب تک باہمی محبت نہیں کروگے پورے مومن نہیں ہوگے۔ تو کیا میں تم کو وہ بات نہ بتادوں کہ جب اس کے خوگر ہو جاؤ تو باہمی محبت کرنے لگو۔ (وہ یہ ہے) کہ آپس میں کو سلام کیا کرو خواہ وہ تمہارا دوست ہو یا نہ ہو۔

تشریح

اس حدیث میں ایمان کو محبت پر اور محبت کو سلام پر معلق کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اعمال بادی النظر میں گو معمولی نظر آتے ہوں مگر دوسرے اہم مقاصد کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

سلام بظاہر ایک معمولی درجہ کا خلق ہے لیکن اس کا نتیجہ باہمی الفت و محبت ہے۔ محبت صرف ایک جاذبیت و تأثر ہی کا نام ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ ایمان کا ایک مستقل سبب بن جاتی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ایمان اللہ تعالےٰ کی ذات سے محبت ہی کا دوسرا نام ہے۔ خدا سے محبت کی یہ راہ رسولؐ کی محبت میں پھر رسولؐ سے صحابہؓ کی محبت اور اسی طرح درجہ بدرجہ عامہ مومنین کی محبت میں سے ہو کر گذری ہے۔ اس لیے خدا کی محبت تک رسائی کے لیے ان مجھتوں کو بھی عبور کرنا ناگزیر ہے۔ اور اس طرح مسلمانوں کی محبت کا نتیجہ ایمان باللہ اور ایمان اللہ کا نتیجہ مومنین کی محبت ہو کر رہتا ہے۔ اسی لیے مومنین سے بغض و کینہ کی زد براہ راست آدمی کے اسلام پر پڑتی ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم میں یہ دعا تعلیم کی گئی ہے:

وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

(اور ہمارے دلوں میں اس جماعت سے کینہ نہ رکھ جو ایمان لا چکی ہے) اس کینہ کو دور کرنے کا سب سے سہل اور فطری نسخہ یہی سلام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذرا سی شکر رنجی میں مراسم محبت جو چیز پہلے ختم ہوتی ہے۔ وہ یہی "سلام" ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

— محبت کا دعوےٰ —

— اور پھر —

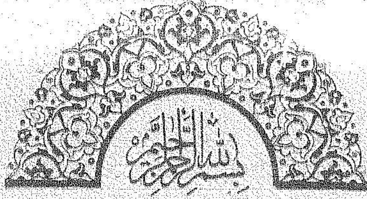
— مستقل نافرمانی —

— یہ محبت نہیں —

انکار ہے

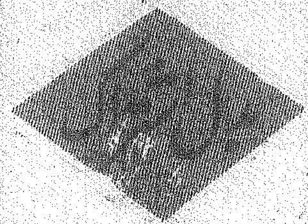
(خاموش مبلغ)

قائدِ اسلامی انقلاب حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ العالی





۲۱ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ
۴ اپریل ۱۹۷۵ء
۲۵



سالانہ ۲۴/- روپے
ششماہی ۱۴/- روپے
سہ ماہی ۷/- روپے
فی شمارہ ۶۰ پیسے

چیف ایڈیٹر
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور

حزب اختلاف کا تاریخ ساز کنونشن

۱۹۷۰ء میں پاکستان میں جو انتخابات ہوئے حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کے نتائج پر عمل کیا جاتا تو آج پاکستان جمہوری ممالک میں ایک مخصوص اہمیت کا حامل ہوتا لیکن جس طریق سے ان نتائج کو سبوتاژ کیا گیا اس سے لوگ عام طور پر آگاہ ہیں اور یہ بات اب کوئی راز نہیں رہی۔

اس حادثہ کے بعد باقی ماندہ ملک میں پاکستان پیپلز پارٹی اکثریتی پارٹی تھی اور ظاہر ہے کہ زمام اقتدار اسی کے ہاتھ آنا تھی۔ چنانچہ پی پی پی اقتدار کی مالک بنی اور قیوم خان کی پارٹی کے علاوہ کچھ دوسرے لوگ بھی بھٹو صاحب اور ان کی پارٹی کے حلیف بن کر شریک اقتدار ہو گئے۔

اس کے بعد حزب اختلاف کے بنچوں پر بیٹھنے والے افراد کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے جن کا تعلق مختلف پارٹیوں سے تھا لیکن جب یہ دیکھا گیا کہ برسرِ اقتدار پارٹی کا طرزِ عمل ایسا ہے جو ملکی سالمیت کے لیے انتہائی خطرات کا موجب ہے اور جس کے نتیجہ میں باقیماندہ ملک بھی کسی وقت کسی سنگین حادثہ کا شکار ہو سکتا ہے تو مختلف الخیال پارٹیوں نے باہم مل جل کر ایک متحدہ محاذ بنایا جو مخالفین کی شرانگیزیوں اور ریشہ دوانیوں کے باوجود بحمدہٖ تعالیٰ اب تک قائم ہے اور انشاءاللہ تعالیٰ قائم رہے گا۔

اس محاذ نے اپنے لیے جو لائحہ عمل تجویز کیا اس کی مختصر لفظوں میں تعبیر نظریۂ پاکستان کی حفاظت اور اس کی ترویج نیز ملکی سرحدات کی حفاظت سے کی جا سکتی ہے۔

اور محاذ کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ محاذ نے اب تک جو کچھ کیا۔ اس کا محور یہی نکات تھے۔ اس کے باوجود محاذ اور اس میں شامل جماعتوں کے خلاف جو کچھ پروپیگنڈا کیا گیا اس کے لیڈروں کی کردار کشی کی ناپاک مہم ایک سے زائد مرتبہ شروع کی گئی اور محاذ کے رہنماؤں کو مشتعل کرنے کی کوشش کی گئی وہ ایک مستقل داستان ہے

لیکن محاذ نے ہر موقعہ پر شخصی و جماعتی وقار سے بالاتر ہو کر ملک و قوم کے وسیع تر مفاد کے لیے سوچا اور کسی امکانی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔

محاذ کی باقاعدہ سرگرمی کا آغاز ۲۳ مارچ ۷۳ء کے جلسہ راولپنڈی سے ہونا تھا جس کے لیے محاذ نے بھرپور طیاری کی۔ باضابطہ اجازت لی، مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے ذمہ دار افراد سے بات کی لیکن ملک کے مختلف حصوں سے اکٹھے کیے ہوئے غنڈوں کو جس طرح باقاعدہ تربیت دے کر جلسہ خراب کرایا گیا بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی، بسوں اور گاڑیوں کو جلایا گیا اس کی تلخی ایسی نہیں جو بھلائی جا سکے اور اس کے بعد لاہور، ملتان کے جلسوں میں وہی ڈرامہ رچایا گیا۔ گوجرانوالہ، وزیرآباد کے سٹیشنوں پر غنڈہ گردی ہوئی لیکن کے رہنماؤں نے حوصلہ اور تدبر سے کام لے کر ملکی خدمت کو مقدم جانا، حکومت سے مذاکرات کیے اور بار بار کیے۔ اور یہ سیلاب اب تک جاری ہے۔

اس دوران مختصر سی اپوزیشن کو کئی ایک بار اسمبلی کا بائیکاٹ بھی کرنا پڑا لیکن چندے بعد مذاکرات وغیرہ کے ذریعہ مصالحت ہو گئی اور بائیکاٹ ختم ہو گیا۔

اب کے جو بائیکاٹ کی نوبت آئی تو پھر مذاکرات ہوئے اور انہی کے نتیجہ میں ۱۶ فروری کا معاہدہ عمل میں آیا۔ جس پر ہم دو ہفتہ پہلے اظہار خیال کر چکے ہیں۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا اس معاہدہ کی سیاہی خشک ہونے سے پہلے ہی اس کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی گئیں نتیجۃً حزب اختلاف نے بائیکاٹ کر دیا جو تا دم ایں تحریر جاری ہے۔ اور جو اس وقت تک ختم نہیں ہو گا جب تک معاہدہ ۱۶ فروری پر عمل نہ ہو۔

اس عہد کا اعلان قومی اسمبلی، سینٹ اور صوبائی اسمبلیوں سے تعلق رکھنے والے اپوزیشن ممبروں کے ایک تاریخ ساز کونشن میں ہوا جو ۱۲ مارچ کو لاہور میں منعقد ہوا۔ اس میں بلوچستان کے علاوہ تین صوبوں کے وہ ممبر شریک ہوئے جو جیل سے باہر ہیں جب کہ بلوچستان سے تعلق رکھنے والے حضرات کی آمد میں رکاوٹیں ڈالی گئیں تو انہوں نے مجبور ہو کر تار وغیرہ کے ذریعہ مل کر اتفاق کا اعلان کیا۔

اس کونشن سے حکومتی حلقوں کا جز بز ہونا لازمی ہے اور وزیراعظم سمیت چھوٹے بڑے ارکانِ حکومت کا واویلا اور شور قدرتی بات ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اپوزیشن اس کے بغیر اور کر بھی کیا سکتی ہے؟

جہاں تک اسمبلی کے بائیکاٹ کا تعلق ہے اس پر حزب اختلاف کو طعنہ دینے والے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر کیوں نہیں دیکھتے کہ انہوں نے متحدہ ملک کی اسمبلی کے ڈھاکہ سیشن کا نہ صرف بائیکاٹ کیا بلکہ فاشزم کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے دوسروں کے راستے بھی بند کیے جبکہ اسمبلی میں اپنا موقف کہنے سننے پر کوئی پابندی نہ تھی اور آج اسمبلی میں بات کہنا مشکل ہے۔ تحریک التوا ہو یا تحریک استحقاق اترمیم ہو یا کچھ اور۔ اول تو سپیکر صاحب کے چیمبر میں ردی کی ٹوکری کا شکار ہو جاتے ہیں اور اگر اسمبلی میں پیش کرنے کا تکلف ہو بھی تو محض سرسری! ایسے میں حزب اختلاف کا وہاں بیٹھنا کوئی معنی نہیں رکھتا لہذا اس پر اعتراض بے معنی ہے۔

ایک عرصہ سے آفاقی قوتوں کے ذہن و فکر سوچنے والے صحافی اور اخبار نویس حزب اختلاف کے طرزِ عمل کے خلاف طویل اداریے اور کالم لکھ رہے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ان بے چاروں کی مجبوری ہے آخر نان جویں کا مسئلہ ہے اور یہی مسئلہ اس وقت سب سے نازک ہے۔ لیکن میں قلمکاروں کی اس کھیپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ حزب اختلاف سے تعلق رکھنے والے ایم، این، اے۔ ایم، پی، اے اور سینیٹرز جو تعداد کے اعتبار سے بہت قلیل ہیں ہزار بار مستحق مبارک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غلامی کے تاریک دور میں اس قسم کی غنڈہ گردی، دہشت انگیزی، فسطائیت اور کردار کشی کی مکروہ رسم نہ تھی۔ انگریز دشمن تھا متعصب ترین دشمن تھا لیکن اس کی جنگ کا انداز بہرحال باضابطہ ہوتا۔ لیکن آج "اپنوں" کا راج ہے اور اندھیر گردی وہ کہ الامان!

آج نہ عزت محفوظ نہ جان و مال۔ ایسے میں چند جی دار، بہادر اور مخلص لوگوں کا نعرہ حق بلند کرنا یقیناً ایک عظیم کارنامہ ہے اور اس پر اپوزیشن سے تعلق

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

خطبہ جمعہ ۲۱/مارچ ۷۵ء
مرتب سعید الرحمٰن علوی

قائد اسلامی انقلاب حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ

اپنے ملک کی بقاء و سالمیت کی فکر کرنا
مذہب کا حقیقی تقاضا ہے

جمعیۃ علماء اسلام نے ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ مارچ کو لاہور میں جس عظیم نظام شریعت کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کر رکھا تھا وہ عین وقت پر حکومتی مداخلت کی وجہ سے بند کرنا پڑی البتہ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں نیز سینیٹ کے اپوزیشن ممبروں کی تاریخ ساز کنونشن میں شرکت کے لیے حضرت قائد جمعیۃ کو جمعہ ۲۱ مارچ لاہور تشریف لانا پڑا۔ آپ ملتان سے بذریعہ کار تشریف لائے اور سیدھا انٹرنیشنل ہوٹل تشریف لے گئے جہاں کنونشن منعقد ہونا تھا۔ وقفہ کے دوران آپ شیرانوالہ تشریف لائے جہاں عوام کا عظیم اجتماع آپ کے

نظام شریعت کانفرنس کی جبری بندش پر میں شدید احتجاج کرتا ہوں

لیے چشم براہ تھا اور بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ اس قسم کی رونقیں حضرت الامام الشیخ لاہوری قدس سرہٗ کے دورِ مسعود میں عام طور پر دیکھنے میں آتی تھیں۔

حضرت مفتی صاحب نے منبر پر تشریف فرما ہو کر مختصر لیکن جامع خطبہ مسنونہ پڑھا اور اس کے بعد فرمایا۔

آپ جانتے ہیں کہ آج لاہور میں ہماری کانفرنس منعقد ہونے والی تھی اور اس کانفرنس میں جمعیتی بزرگوں نے اور خود میں نے آپ کے سامنے نظام شریعت کے نفاذ، ملکی حالات اپنی اور آپ کی ذمہ داریوں پر بہت کچھ کہنا تھا لیکن بدقسمتی سے وہ دفعہ ۱۴۴ کی نذر ہو گئی (شدید نعرہ ہائے مذمت)

آپ نے فرمایا کہ ملک شدید قسم کی گھٹن کا شکار ہے جمہوری عمل معطل ہے، پورے ملک میں ۱۴۴ کا نفاذ ہے اس کے باوجود مقتدر طبقہ جمہوریت کا دعویدار ہے۔ آپ نے واضح کیا کہ یہ طرزِ عمل دستورِ پاکستان کی کھلی خلاف ورزی ہے

کیونکہ دستور میں تحریر و تقریر، اجتماع و اظہار رائے کی کھلی آزادی ہے اور دستور ہر شہری کو اس کی ضمانت مہیا کرتا ہے لیکن اس دفعہ کے نفاذ سے وہ حق سلب ہو گیا جب کہ دستوری حقوق کے مقابلہ میں کوئی چیز موثر نہیں ہو۔

آپ نے ۱۴۴ کو ایک وقتی ضرورت قرار دیا اور فرمایا کہ جان و مال کے نقصان و ضیاع کے سبب فسادات کی صورت میں یہ دفعہ مخصوص علاقہ میں صرف ضرورت کے لیے نافذ کی جاتی ہے اور ضرورت ختم ہونے پر اٹھا لی جاتی ہے جب کہ آج سارا ملک اس کا شکار ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ پورا ملک فساد کا شکار ہے اگر یہ بات صحیح ہے تو حکومت کو اپنی نااہلی کا اعتراف کرتے ہوئے فوراً مستعفی ہو جانا چاہیے۔ اور اگر ایسی بات نہیں اور یقیناً نہیں بلکہ اس دفعہ کا اندھا دھند استعمال سیاسی مخالفین کو کچلنے، ان کی آواز کو دبانے اور جمہوری عمل کو معطل کرنے کے لیے ہے تو تب بھی حکومت کو حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ طرز عمل آئین کی توہین و غداری کے مترادف ہے اور ظاہر ہے کہ اس قسم کا طرز عمل اختیار کرنے والے عناصر حکومت کرنے کے حقدار نہیں ہوتے۔

آپ نے نظام شریعت کانفرنس کے پس منظر اور اس سلسلہ میں حکومت سے اجازت لینے سے متعلق تفصیلی بیان فرماتے ہوئے کہا کہ اس کا مقصد نظام شریعت کے

بھٹو اقتدار چھوڑ دے تو میں دیکھوں گا —— کہ پی، پی، پی کس جانور کا نام ہے؟

نفاذ کے سلسلہ میں عملی سوچ بچار کرنا تھا اور ۱۰ فروری کو

رجسٹرڈ درخواست ڈی سی لاہور کو ارسال کی گئی جبکہ مارچ کی ۱۰ تاریخ کو تحریری طور پر یاد دہانی کرائی گئی وہ ہماری ۱۰ فروری والی درخواست کو پی گئے اور یاد دہانی کی درخواست کو بنیاد بنا کر عین موقعہ پر ٹکا سا جواب دے دیا اور عذر یہ تراشا کہ تمہاری درخواست سے پہلے ۱۸ فروری کو لیگ کی درخواست آئی ہے ان کی درخواست مقدم ہے اس لیے ان کا حق مقدم ہے۔ حالانکہ معلوم نہیں کس لیگ

تحریر و تقریر، اجتماع و اظہار رائے پر پابندی آئین کی توہین اور غداری کے مترادف ہے

نے درخواست دی۔ غالباً ہماری درخواست کے پیش نظر انہوں نے خود درخواست کا اہتمام کرایا۔ تاکہ ہمارا راستہ بند ہو سکے۔

ہمارا پروگرام ایک دن کا نہ تھا، ایک نشست نہ تھی بلکہ سہ روزہ پروگرام تھا۔ ہم چاہتے تو دستوری حق استعمال کر کے اس دفعہ کی پروا کیے بغیر پروگرام پورا کرتے لیکن آنسو گیس، لاٹھی چارج اور فی سبیل اللہ فساد، جلاؤ گھیراؤ، سب حکومت کے پاس ہے ایسے میں کوئی آدمی شامیانہ، قنات دری، لاؤڈ سپیکر دینے کے لیے طیار نہیں کہ جلسے کا واضح خطرہ ہے اور یہ خطرہ تجار مول نہیں لے سکتے۔ کہ اس میں ان کا شدید نقصان ہے۔ ان مشکلات کے پیش نظر ہم نے ملک بھر کے مندوبین کو ابتلاء میں ڈالنا مناسب نہ سمجھا۔ اس کے باوجود دور دراز دیہاتی علاقوں سے مخلص لوگ لاہور آ گئے کہ انہیں بروقت التوا کی اطلاع نہ ہو سکی کہ وقت قلیل تھا۔ اس لیے میں اس قسم کے حضرات سے ان کی تکلیف پر ان سے معذرت خواہ ہوں خدا انہیں اس تکلیف کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

مفتی صاحب نے حکمران پارٹی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ برسر اقتدار ٹولہ کے چشمہ سے پانی پینے والے لوگ ہیں جماعت نہیں نہ ان کی کوئی حیثیت ہے نہ یہ ہمارا مقابلہ کر سکتے ہیں اور میں چیلنج کرتا ہوں کہ بھٹو اقتدار چھوڑ دے پھر میں دیکھوں گا کہ پی پی پی کس جانور کا نام ہے۔ بھٹو صاحب کے پاس اس وقت جو مضبوط پارٹی ہے اس کا نام پولیس فورس اور "فی سبیل اللہ فساد" ہے۔ ان کے بغیر وہ کچھ نہیں۔

اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ان کو راستہ سے ہٹا دو، عوام کو تحفظ کا یقین دلا دو تو ایک ہفتہ کے اندر اندر تم کرسی سے الگ نہ ہو جاؤ تو میں سیاست سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔

آپ نے کہا کہ آج حزب اختلاف کو جو پذیرائی حاصل ہے اس کا عشر عشیر بھی بھٹو صاحب کو میسر نہیں۔ اور آج انہیں قائد عوام کہلانے کا قطعاً حق حاصل نہیں۔ آپ نے شیر پاؤ کے قتل کی مذمت کی لیکن کہا کہ اس سے پہلے بھی قتل ہوئے لیاقت علی ملک کے پہلے وزیر اعظم تھے بانی گروپ میں شامل تھے۔ قتل ہوئے۔ لیکن کردار کشی کی مہم دہشت گردی کچھ نہ تھی نہ ہی سیاسی انتقام کا کوئی مسئلہ پیدا ہوا۔ اسی طرح موجودہ پورے اور اس وقت کے نصف ملک کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خانصاحب شہید ہوئے لیکن کوئی افراتفری نہ تھی لیکن اب جبراً جلوس نکلوائے گئے۔ دفاتر، دکانیں، اور املاک تباہ کی گئیں۔ اور پولیس نے خاموش تماشائی کا کردار ادا کیا۔

پشاور میں حاجی بلور صدر کالعدم نیپ سرحد کی دکان ارباب سکندر سابق گورنر، ان کے بھائی ارباب ہمایوں کے دفاتر، جمعیۃ علماء اسلام، جماعت اسلامی، تحریک استقلال وغیرہ کے دفاتر تباہ کیے گئے۔ جمعیۃ کے دفتر کے دروازے

شیر پاؤ کے قتل کے جبری جلوس اور پولیس کی نگرانی میں جلاؤ گھیراؤ اظہارِ غم کا کون سا ذریعہ تھے؟

کھڑکیاں، چارپائی، بستر سب کچھ جلا دیا، فون لے گئے ریکارڈ تباہ کر دیا۔ ریکارڈ کے ساتھ پانچ قرآن نیچے پھینک کر جلائے (عیاذاً باللہ) فوٹو سٹیٹ ہمارے پاس ہیں اخباری نمائندوں نے دیکھے ہیں۔

اس افسوسناک قتل کو جس طرح منظم طریق سے مخالفین کو تختہ مشق بنانے کا ذریعہ بنایا اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کے باوجود قاتلوں کا پتہ نہیں۔ آئی جی کہتے ہیں کہ

ابھی تک قاتل گرفتار نہیں ہو سکے بلکہ وہ پولیس کی غلطی سے افغانستان دوڑ گئے جب کہ نیپ کے لیڈر اور کارکن بکثرت جیل میں ہیں خود وزیراعظم اور دوسرے سرکاری اہلکار پہلے ان کو قاتل کہتے رہے۔ اب کہتے ہیں قاتل گرفتار نہیں ہو سکے۔

اس سے پہلے بھی قتل ہوئے لیکن کردار کشی، سیاسی انتقام اور دہشت گردی کا یہ انداز کبھی نہ تھا

ہم نے پوچھا کہ پھر یہ کیوں گرفتار ہیں؟ تو کہا ان کا اس واقعہ سے تعلق نہیں۔ جب اس واقعہ سے تعلق نہیں تو گرفتاریاں اور عین اسی موقعہ پر کیوں؟

مفتی صاحب نے کہا کہ قتل کے ذمہ دار حضرات کا پتہ انتظامیہ لگائے گی لیکن یہ بات سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے کہ اس واقعہ کے دن (۸ر فروری کو) وزیراعظم امریکہ میں بیقراری کا شکار رہے۔ نصف رات بیگم کو جگایا دلی کیفیت بتلائی اور کہا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ صبح جب فون کے ذریعہ علم ہوا تو بیگم کو کہا میں نے نہ کہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ولی باکرامت تو ہے نہیں کہ اس کے قلب صافی و منور پہ بعد کے واقعہ کا اثر پڑ گیا۔ اب ظاہر ہے کہ گھبراہٹ کا اصل سبب خبر کا نہ پہنچنا تھا کہ انہیں انتظار تھا۔

عوام کو تحفظ کا یقین دلا دو، پھر ایک ہفتہ کے
اندر اندر تمہارے اقتدار کا بوریہ
الٹ نہ گیا تو میں سیاست چھوڑ دوں گا!

اس موقعہ پہ یہ سوال ذہن میں آئے گا کہ اپنے ساتھی سے ایسا سلوک کیوں؟

اصل یہ ہے کہ ہمارے ملک میں سیاسی مخالفین سے انتقام لینے کے لیے ڈرامے رچائے جاتے ہیں ممکن ہے یہ بھی ایسا ہی ڈرامہ ہو کیونکہ بہرحال اس کے بعد مخالفین کو بھی تختۂ مشق تو بنایا گیا ہے۔

آخر ہمارے یہاں لندن پلان کا ڈرامہ رچایا گیا لیکن نتیجہ کچھ نہیں۔ پھر عراقی اسلحہ کا سکینڈل رچایا گیا۔ حکومت نے کہا کہ یہ نیپ کے پاس آیا بلوچستان میں استعمال ہونے کے لیے جب کہ اسمبلی میں وزیر مملکت عزیز احمد سے جب سوال ہوا کہ اتنے بڑے حادثہ پہ تم نے اپنے مبیّنہ عراق سے کیا سلوک کیا؟ تو کہا اس نے یقین دلایا ہے کہ یہ اسلحہ پاکستان میں استعمال نہ ہوتا نہ اس کی یہ غرض تھی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ پھر وہاں کی منتخب حکومت کیوں توڑی گئی۔ جبکہ اس پر تمہارا الزام یہی ہے اور دوسرا یہ کہ تمہارے اس وقت کے وزیر اطلاعات کوثر نیازی نے کہا تھا کہ ہمیں پہلے ہی تھیلے کا علم تھا اور یہ بھی ہے کہ ۱۲ تھیلے خالی ہو گئے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کہاں گئے؟ کیا یہ سب ڈرامہ نہ تھا؟

آپ نے کہا کہ آج کسی کی آبرو، جان و مال محفوظ نہیں۔ ہر شخص ملکی بقاء سے متعلق سوچ میں مبتلا ہے۔ ممکن ہے بعض حضرات سوچیں کہ مسجد میں یہ باتیں؟ تو بھائی! اصل یہ ہے کہ یہ باتیں سیاسی نہیں بلکہ اپنے ملک کی بقاء و سالمیت کے لیے فکر کرنا مذہب و دین کا ناگزیر تقاضا ہے؟

ہمارا مذہب ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ملک تباہ ہو رہا ہو، گھر اجڑ رہا ہو اور ہم خاموش ہو کر بیٹھیں۔

پیرزادہ صاحب نے افسوس کے عالم میں کہا ہے ــ کہ حزب اختلاف اب مسجدوں کو استعمال کر رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ باقی ملک تو تم نے بند کر دیا اب خدا کے گھر جو امن کی جگہیں ہیں "ومن دخلہ کان آمنا" تو اب ہم یہاں بھی پناہ نہ لیں تو کہاں جائیں؟

آپ نے واضح کیا کہ ہم مایوس نہیں دل برداشتہ نہیں عملی جدوجہد سے ہم گریز نہیں کریں گے۔ اور تمہارا پورا پورا تعاقب جاری رکھیں گے۔ آپ نے بائیکاٹ سے متعلق واضح کیا کہ ۲ر فروری کے معاہدہ سے صرف ۴۸ گھنٹہ بعد ریڈیائی اعلان پر حکومت نے اجلاس بلایا اور

اپنے ملک کی بقاء و سالمیت کی سعی کرنا اور اس سلسلہ میں جدوجہد دین اسلام کا لابدی تقاضا ہے

ہم حکومت اور عوام کے درمیان دیوار ہیں۔ ہم پر ہاتھ ڈالے بغیر حکومت آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔

اصل تاریخ سے ایک دن پہلے۔ اس میں آئین جیسی مقدس دستاویز کو اپنی اغراض کے لیے استعمال کیا اور ایوب جیسے آمر نے جو حقوق ممبروں کو دیئے تھے وہ چھین لیے۔ اس پر ہم نے بائیکاٹ کیا۔ کیونکہ معاہدہ میں کسی بھی بل وغیرہ سے متعلق اپوزیشن سے مشورہ شامل تھا لیکن نہ کیا۔ اب کہتے ہیں کہ نیپ سے پابندی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہم نے مطالبہ نہیں کیا ہم تو ۶ / فروری کے معاہدہ پر عمل کی گزارش کرتے ہیں۔ اس سے اگر نیپ کو فائدہ ہوتا ہے تو یہ اتفاق ہے۔ افغانستان سے متعلق آپ نے کہا کہ ہمارے بعد

حکومت کا ہر محاذ پر تعاقب کیا جائے گا

اس نے بھی اس قسم کا مطالبہ کیا تو ہمیں اس کا ایجنٹ کہا گیا۔ اور خود وزیر اعظم نے اس قسم کی باتیں کہیں لیکن میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی بقا و سالمیت اور اصولوں کے مسائل پر ہم دوسروں سے خود بہتر سوچ سکتے ہیں۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ کوئی دوسرا ہمارے یا حکومت کے متعلق کیا سوچتا ہے یہ خود دوسروں کا معاملہ ہے۔ ہم اپنی سوچ کے آپ مالک ہیں۔ باقی اگر ہمارا اور افغانستان کا تعلق تھا تو مذاکرات کے دوران کہتے۔ اب شور مچانا کردار کشی کی مکروہ رسم ہے جو انتہائی شرمناک ہے۔

آپ نے عوام کو حوصلہ دلاتے ہوئے واضح کیا کہ ہم تمہارے اور حکومت کے درمیان دیوار ہیں، تمہارے

ہم مسجدوں میں پناہ لیں تو پیرزادہ کو تلملانا نہ چاہیئے، یہ جائے امن ہے۔

حقوق کا تحفظ ہمارا فرض ہے۔ ہم سے پہلے آپ پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔

انشاء اللہ ہم راہ راست پر چل کر آپ کی خدمت کریں گے۔ خدا ہمیں مجبوری سے بچائے۔

آپ نے اشتعال کی ہزار کوششوں کو لغو قرار دیا اور کہا کہ ہم مشتعل نہ ہوں گے۔ ہم نے ملک کی خدمت کرنی ہے اور اس راہ میں صبر و تحمل از بس ضروری ہے۔

آپ کی بصیرت افروز، ولولہ انگیز تقریر ایک گھنٹہ جاری رہی۔ اس کے بعد آپ نے خطبہ مسنونہ پڑھا اور نماز کی امامت فرمائی۔

سیاست کیا ہے دنیا میں فقط اللہ سے ڈرنا
حضور خواجہ کونین ؐ کی عزت پہ کٹ مرنا

جانشین شیخ التفسیرؒ کا پروگرام

حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم امیر انجمن خدام الدین انشاء اللہ تعالیٰ ۲۵ / اپریل ۷۵ء کو نماز مغرب جامع مسجد جوڑنگی ۲۲ راولپنڈی صدر میں ادا فرمائیں گے اور پھر کیمبل پور تشریف لے جائیں گے۔

۲۶ / اپریل بعد از نماز فجر مدینہ مسجد کیمبل پور میں درس قرآن مجید دیں گے اور خدام کو تعلیم و ارشاد سلوک سے نوازیں گے۔ ۲۶ / کی نماز مغرب چائنہ فیکٹری ٹیکسلا میں ادا فرما کر درس قرآن مجید کی سالانہ تقریب میں شرکت فرما کر رات کو واہ کینٹ جان سٹریٹ بنگلہ ۱۵ پر قیام فرمائیں گے۔

۲۷ / اپریل کی صبح دس بجے درس قرآن مجید کی سالگرہ میں شرکت فرما کر شام کو لاہور مراجعت فرمائیں گے۔

خدام کی اطلاع کے لیے پروگرام شائع کیا جا رہا ہے۔

(قاضی زاہد الحسینی)

مقالہ خصوصی

اختر کاشمیری

پاسبانِ حرم شاہ فیصل شہیدؒ

مظہرِ نورِ سعادت تھی شہادت کی قبا
تیرے خوں نے اس قبا کو اور تاباں کر دیا!

عالم اسلام کا یہ مایہ ناز فرزند اور قابلِ فخر رہنما اور بے مثال قائد پاسبان حرم شاہ فیصلؒ بن عبدالعزیز کی شہادت پر آج ساری ملتِ اسلامیہ ماتم گسار اور سوگوار ہے۔ ملتِ اسلامیہ کے اس جلیل القدر فرزند کی سیادت و قیادت اور عدالت و سیاست ملتِ اسلامیہ کے لیے باعثِ ناز اور وجہِ افتخار تھی۔

قانونی طور پر اگرچہ وہ صرف سعودی عرب کے حکمران تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاہ فیصلؒ اپنی خداداد لیاقت و صلاحیت، تدبر و فراست اور بصیرت و دانائی کے اعتبار سے دنیائے اسلام کے مسلمانوں کے دل و دماغ پر حکمرانی کرتے تھے اور انہی گوناگوں خوبیوں کی بدولت اہل اسلام کے دلوں کی دھڑکن بن چکے تھے۔ ان کی اسلامی سیاست، بالغ نظری دانش مندی اور معاملہ فہمی نے امریکی سامراج اور اس کے حاشیہ بردار یہود و نصاریٰ کو لرزہ براندام کر دیا تھا۔ انہوں نے چند سالوں میں نہ صرف سعودی عرب بلکہ شاہراہِ ترقی پر گامزن کیا پورے عالم اسلام کی وحدت و یک جہتی اور بقاء و استحکام کے لیے شبانہ روز کوشش و سعی فرما کر اتحاد عالم اسلامی کی بنیاد ڈالی۔ اب قریب تھا کہ ان کا یہ دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا اور وہ اپنی آنکھوں سے عالم اسلام کا مرکزی اتحاد دیکھتے ان کو گھر ہی کے ایک "پاگل" شہزادے کی گولی چاٹ گئی اور حرم کا پاسبان مالکِ حرم سے جا ملا ـــــ ان کا قاتل اگر پہلے پاگل نہیں تھا تو اب یقیناً پاگل ہو گیا ہوگا۔ کاش کہ ـــــ اسلامی معاشرہ ان پاگلوں سے ہمیشہ کے لیے پاک ہو جاتا!

> عالمِ اسلام کا اگرچہ کوئی متفقہ قائد نہیں تھا لیکن عالمِ اسلام کے مسلمان وجدانی طور پر شاہ فیصل کو اپنا قائد مانتے تھے۔
> آج
> ان کی شہادت پر عالمِ اسلام یتیم ہو کر رہ گیا ہے۔

پاسبانِ حرم ایک سیاست دان ہی نہیں بلکہ ایک عالم باعمل اور شب زندہ دار عابد بھی تھے اور ان کو حرم کے بعد سب سے زیادہ محبت پاکستان اور اہل پاکستان سے تھی۔ پاکستان کا وہ خطۂ زمین جو اپنوں کی غداری اور غیروں کی ہشیاری سے پاکستان سے کٹ گیا اسے پاکستان نے تو تسلیم کر لیا لیکن پاسبان حرم نے اسے آج تک تسلیم نہیں کیا تھا۔ عالمِ اسلام کا اگرچہ کوئی متفقہ قائد نہیں تھا لیکن عالم اسلام کے مسلمان وجدانی طور پر شاہ فیصل کو اپنا قائد مانتے تھے۔ آج ان کی شہادت سے عالم اسلام یتیم ہو گیا ہے۔

اتباعِ سنت اور حضرت گنج مرادآبادی

تحریر: محمد سعید الرحمٰن علوی

ولایت و بزرگی کی معراج اتباعِ سنّت ہے۔ یہ ایک ایسا دعوےٰ ہے کہ اربابِ معرفت و سلوک کی زندگیاں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ بدقسمتی ہے آج کے دور میں ولایت و معرفت اور اتباعِ سنت کو دو مختلف چیزیں سمجھ لیا گیا ہے اور دنیا پرست لوگوں کا ایک طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ ولایت و معرفت نصیب ہو جانے کے بعد احکاماتِ خداوندی اور فرائض اسلام کی بجا آوری کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، عیاذاً باللہ حالانکہ جس کو جتنی معرفتِ حق نصیب ہوگی وہ اتنا ہی خدا سے زیادہ ڈرے گا اور اتنے ہی زیادہ اہتمام سے وہ فرائض اسلام کی بجا آوری کی کوشش کرے گا۔

صحبت امروزہ میں چودھویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول بزرگ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی متوفی ۱۳۱۳ھ کے جذبۂ اتباعِ سنّت سے متعلق چند سطور پیشِ خدمت ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اللہ والے حقیقی معنوں میں کون ہوتے ہیں۔

یاد رہے کہ حضرت مرادآبادی مرحوم اپنے وقت کے جید اور عظیم المرتبت شیخ تھے۔ سادگی، انکساری اور زہد و توکل کا جیتا جاگتا نمونہ!

آپ کے خدام میں مولانا سیّد محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماً مولانا سید حبیب اللہ ٹانڈوی (والد ماجد شیخ الاسلام مولانا مدنی) نواب بہادر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، محدّثِ جلیل مولانا شوق نیموی، مولانا سید عبدالحی (والد محترم مولانا علی میاں) نواب رضی الدولہ نبیرہ نواب صدیق حسن جیسے اعاظم رجال کے نام ملتے ہیں۔ اور مشہور عالمِ دین مولانا عبدالحی لکھنوی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری جیسے فاضل علوم اسلامیہ، قرآن و حدیث اور فقہی مسائل میں آپ سے اصلاح لیتے نظر آتے ہیں۔

یہ بات ان کے عظیم المرتبت ہونے کے لیے کافی ہے لیکن اس کے باوصف نہ انہوں نے اپنے آپ کو فرائض اسلام سے ماورا سمجھا اور نہ ہی جی چرایا۔ نواب صدیق حسن خاں کے صاحبزادے نواب نورالحسن لکھتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا:

"غوث ہو یا قطب جو خلاف شرع کام کرے وہ کچھ بھی نہیں۔" (مجموعہ رسائل تصوف ص۴۳)

اور نواب صاحب ہی لکھتے کہ ایک مرتبہ فرمایا:

"اتباعِ سنّت ہی غوثیت و قطبیت ہے" (ص۴۳)

حضرت والا اتباع کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ پیغمبرؐ کی چال چلنا اور قرآنی آیت فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ کا معنیٰ ہے:۔

"ہماری چال چلو تب پیار کرے گا اللہ تم لوگوں کو۔" (فضل رحمانی ص۵ ج۲)

حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

"یاد رکھو کہ جو بات شریعت کے اتباع اور ان اعمال سے حاصل ہوتی ہے جو حدیث میں آئے ہیں وہ کسی سے نہیں ہوتی۔" (فضل یزدانی ص۲۱)

آپ نے اتباعِ سنت کا مفہوم ایک دفعہ یہ بیان فرمایا کہ:۔

"اتباعِ سنّت یہی ہے کہ جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اسی طرح کرے گھٹائے اور بڑھائے نہیں۔"

(باقی ص۲۳ پر)

بہ سلسلہ مجلس ذکر

محفلِ خیر و برکت

۲۰ مارچ ۷۵ء

(محمد سعید الرحمن علوی کے قلم سے)

مشہور صاحبِ نسبت بزرگ اور عالم دین مولٰینا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی قدس سرہ کے وقائع میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے خادم خصوصی مولوی تجمل حسین مرحوم سے کہا کہ تم نے معرفت و طریقت کی دکان دیکھی ہے ؟ مولوی صاحب موصوف نے از راہ تواضع خاموشی اختیار کی تو حضرت نے خود ہی فرمایا کہ ہم نے شاہ محمد آفاق اور شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہما کی دو دکانیں دیکھی ہیں۔ جو معرفت و طریقت کی دکانیں ہیں۔

یہ قصہ مجھے شیرانوالہ کی قادری خانقاہ کو بار بار دیکھنے کے بعد ذہن میں آیا اور میں نے سوچا کہ آج کا کوئی صاحب نسبت بزرگ دکان معرفت و طریقت کی بات کرے تو وہ اس خانقاہ کا سرِفہرست ذکر کرے گا۔

یہ خانقاہ جو حضرت الامام مولٰینا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ نے لاہور میں آکر آباد کی تھی۔ حضرت کے وصال کے بعد اب تک برابر آباد ہے بلکہ اس کی رونق میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اور یہ سب کچھ حضرت الامام لاہوری کے خلوص اور ان کی توجہ باطنی کا نتیجہ ہے۔

حضرت اقدس تحریک ریشمی رومال کے بعد انگریز کے ظلم کا شکار ہو کر لاہور آئے۔ یہاں کا آنا بھی عجیب و غریب تھا نہ جان نہ پہچان لیکن آپ نے توکلاً علی اللہ اس شہر میں ڈیرہ جمایا۔ شہر کی سیاست، صحافت اور تجارت وغیرہ پر اغیار کا قبضہ، مسلمان جہالت و پسماندگی کا شکار۔ ایسے میں صحیح اسلام کی بات کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا لیکن آپ نے نتائج و عواقب سے بے نیاز ہو کر ایک عالم ربانی کی حیثیت سے کام شروع کر دیا۔ مخالفتیں ہوئیں، پتھر پڑے لیکن آپ ڈٹے رہے۔ آخر قدرت نے آپ کو قبولیتِ عامہ نصیب فرمائی۔

آپ نے جد وجہد کے لیے جو میدان تجویز فرمایا۔ اس میں خطبہ جمعہ، عام خاص درس اور مجلس ذکر بھی تھی، اس کے علاوہ وسیع پیمانہ پر نشر و اشاعت کا کام بھی کیا۔

آج کی صحبت میں صرف مجلس ذکر سے متعلق چند سطور لکھنا مقصود ہیں۔

مجلس ذکر سلسلہ قادریہ کے مطابق منعقد ہوتی ہے۔ ہر جمعرات کو مغرب و عشاء کے درمیان لاہور اور بیرون لاہور سے آئے ہوئے خدام و متوسلین کا حلقہ ہوتا ہے۔ میر محفل جب حضرت ہوتے آج کل آپ کے خلف الرشید مولانا عبید اللہ انور ہوتے ہیں۔

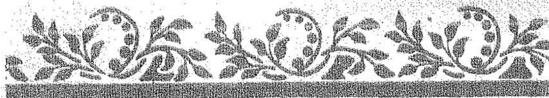
ذکر شروع ہونے ہی بتیاں بند کر دی جاتی ہیں۔ لیکن ذکر الٰہی کے انوار سے ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اطمینان و سکون قلبی کا ایک عجیب سماں پیدا ہوتا ہے۔ ذکر کے ختم ہوتے ہی بتیاں جلا دی جاتی ہیں اور مختصر خطاب ہوتا ہے۔ اس خطاب میں ذکرالٰہی کی فضیلت کے ساتھ ساتھ اجتماعی مسائل پر بھی تبصرہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ والے اجتماعی زندگی سے گریز نہیں کرتے۔ بلکہ وہ وارثانِ رسول عربی علیہ السلام کی حیثیت سے قومی اور جماعتی مسائل میں بھرپور دلچسپی لیتے ہیں۔

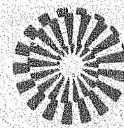
ہر مہینہ کی تین جمعرات کا یہی معمول ہوتا ہے۔ لیکن عربی مہینہ کی پہلی جمعرات کو ذکر کے بعد تقریر کے بجائے آیت کریمہ کا ورد ہوتا ہے۔

ہر جمعرات کو بیرون لاہور سے بکثرت لوگ آتے ہیں اور اس محفل کی خیر و برکت سے فیض حاصل کرتے ہیں البتہ پہلی جمعرات کو ہجوم کہیں زیادہ ہوتا ہے۔

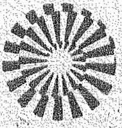
سچی بات یہ ہے کہ اس قسم کی مجالس کو دیکھ کر خلیفہ ہارون الرشید کی اہلیہ زبیدہ کی وہ بات یاد آجاتی

(باقی صنہ ۲۰ پر)





سرہند



مولانا سعید احمد اکبرآبادی



کہتے ہیں مکان کو شرف مکین سے ہوتا ہے۔ سرہند کہنے کو ہندوستان کے صوبۂ پنجاب کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے لیکن پونے چار سو برس سے اس کی شہرت و عظمت کا ڈنکا چہار دانگ عالم میں بجتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو شرف حاصل ہے اس ذات بابرکات کے مولد و مدفن ہونے کا جس کو دنیا شیخ احمد حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نام اور لقب سے جانتی ہے جس نے اسلام کے گیسوئے پریشان کو سنوارا اور اندیشہائے سود و زیاں کے گرد و غبار سے پاک صاف کر کے اس کے اصل خد و خال کو نکھارا اور اس کے چہرہ کو نئی آب و تاب دی۔

حضرت مجددؒ ۲۶ رجون ۱۵۶۴ء کو اسی قصبہ میں پیدا ہوئے تھے ابتدائی تعلیم والد بزرگوار مخدوم عبدالاحد سے پائی پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے سیالکوٹ تشریف لے گئے اس سے فارغ ہو کر آپ نے سرہند میں ہی مسند درس و تدریس بچھائی۔

سرہند میں چند برس قیام کے بعد آپ آگرہ تشریف لے گئے اور جلد ہی یہاں کے علمی اور ادبی حلقوں میں آپ کے علم و فضل کا ایسا چرچا ہوا کہ اس زمانہ میں فیضی قرآن مجید کی غیر منقوط تفسیر سواطع الالہام کے نام سے لکھ رہا تھا حضرت مجددؒ کے سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ فیضی نے اس تفسیر کے سلسلہ میں متعدد مقامات پر حضرت مجددؒ سے بھی رہنمائی حاصل کی، آگرہ اس زمانہ میں مغلیہ حکومت کا دارالسلطنت تھا اس لئے یہاں کا ماحول آپ کو راس نہ آیا اور بددل ہو کر پھر سرہند آ گئے اور حسب سابق درس و تدریس اور ارشاد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی زمانہ میں آپ نے اپنی تحریک تجدید دین کا باقاعدہ آغاز فرمایا اور وعظ و ارشاد کے عام طریقوں کے علاوہ آپ نے اعیان و امراء حکومت کو نہایت پرزور اور موثر خطوط لکھ کر ان کو ان کے فرائض و واجبات کی طرف متوجہ کیا ان مکاتیب نے اپنا اثر دکھایا اور امراء و اعیان سلطنت میں ایک بڑا طبقہ ایسا پیدا ہو گیا جو حضرت مجدد کے زیر اثر اور آپ دامان عقیدت و ارادت سے وابستہ تھا۔ حضرت مجددؒ ان حضرات کو جرگہ "مردان اسلام" کے نام سے یاد کرتے تھے، انہیں امراء

کی کوشش سے شہزادہ سلیم تخت و تاج مغلیہ کا وارث ہوا۔

لیکن جیسا کہ عام طور پر ایسے موقعوں پر ہوا کرتا ہے۔ حضرت مجددؒ کے مخالف امراء نے جہانگیر کو آپ سے بدظن اور بدعقیدہ کر دیا اور اس نے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ ابھی اس نظر بندی پر دو برس گزرے تھے کہ جہانگیر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا چنانچہ اس نے باعزت طریقہ پر آپ کو رہا کر کے اپنا مقرب خاص اور مشیر کار بنا لیا کم و بیش تین برس آپ جہانگیر کے ساتھ رہے اس مدت میں آپ نے اسے قرآن کی تفسیر پڑھائی اور اسلام کے عقائد و تعلمات سے اسے روشناس کرایا تین برس جہانگیر کے ساتھ رہنے کے بعد حضرت مجدد سرہند واپس آ گئے اور ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء کو راہی ملک بقا ہو کر یہیں اپنے وطن میں آسودۂ سکون ہوئے جہاں آپ کا مزار مرجع عوام و خواص ہے۔

حضرت مجددؒ کا یہی وہ مزار ہے جس پر علامہ اقبال نے ان اشعار میں عقیدت و ارادت کے پھول چڑھائے ہیں فرماتے ہیں۔

؎

حاضر ہوا میں شیخ مجددؒ کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

سرہند کی ایک عجیب و غریب خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کو صرف حضرت مجددؒ کے مولد و مدفن ہونے کا شرف ہی حاصل نہیں ہے بلکہ اس قصبہ کی تعمیر و تشکیل اور اس کی بناء میں بھی حضرت مجددؒ کے بزرگوں کا بڑا دخل ہے اور گویا یہ قصبہ حضرت مجددؒ کی آمد کی تقریب میں ہی

بسایا گیا اور آباد کیا گیا تھا چنانچہ "روضۃ القیومیہ" جو حضرت مجددؒ اور آپ کی اولاد اور آپ کے خلفاء کے حالات و سوانح میں ایک مشہور اور مستند کتاب ہے اور جس کے مصنف خود حضرت مجددؒ کے خاندان کے ایک بزرگ جناب ابوالفیض کمال الدین محمد احسان ہیں اس میں یہ واقعہ اس طرح درج ہے، لکھتے ہیں۔

سرہند درحقیقت سہرند کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ سہرند کے معنی چیتوں کی جھاڑیاں ہیں، چونکہ پہلے یہ جنگل اور شیر اور چیتوں کا مسکن تھا۔ اس لئے اسے سہرند کہتے تھے ایک مرتبہ سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت میں شاہی خزانہ لاہور سے دلی جا رہا تھا جو لوگ اس خزانہ کو لے جا رہے تھے ان میں ایک صاحب باطن بزرگ بھی تھے، جب یہ قافلہ سرہند کے مقام پر پہنچا تو ان بزرگ کو کشف سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد یہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو سرآمد روزگار اور دین اسلام کا مجدد ہوگا اس مرد خدا نے اپنا یہ کشف ساتھیوں سے بیان کیا اور ساتھ ہی تجویز کی کہ یہاں شہر بسایا جائے تو بہت اچھا ہوگا ایک تو یہ کشف، دوسری جانب قدرتی مناظر، تر و تازگی سرسبزی و شادابی، آب و ہوا کی عمدگی اور ندیوں کی کثرت کے باعث بھی یہ جگہ بڑی پُرفضا اور پُرکشش تھی پھر گرد و نواح میں یہاں کوئی شہر بھی نہیں تھا یہاں سے ۲۴ میل دور صرف ایک شہر سامانہ تھا اس بنا پر اس مرد خدا کی یہ تجویز سب ساتھیوں کو بہت پسند آئی اور سب نے دل سے اس کی تائید کی۔

چنانچہ دلی پہنچ کر یہ لوگ حضرت سید جلال الدین بخاری جو مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے نام سے معروف ہیں ان کی خدمت میں پہنچے اور اس مرد خدا کے کشف اور تجویز اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ سلطان فیروز شاہ کو حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ساتھ بڑی عقیدت و ارادت تھی اس لئے جب حضرت مخدوم جہانیاں کو بھی یہ تجویز پسند آئی تو آپ نے بادشاہ سے اس کا ذکر فرمایا اور بادشاہ نے فوراً اسے منظور کر کے اس جگہ شہر بسانے کا حکم صادر کر دیا۔

اب سنیئے حضرت مخدوم کی اکیسویں پشت میں ایک بزرگ تھے جن کا نام رفیع الدین تھا آپ بڑے پایہ کے عالم اور صاحب طریقت و معرفت تھے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مرید اور خلیفہ تھے اور چونکہ آپ نماز میں امامت انہیں سے کراتے تھے اس لئے آپ امام رفیع الدین کے نام سے مشہور ہیں کہتے ہیں حضرت مخدوم کے آباؤ اجداد میں آپ ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہندوستان میں سکونت اختیار کی۔ ان امام رفیع الدین کے بڑے بھائی خواجہ فتح اللہ سلطان فیروز شاہ کے وزیر تھے اب سلطان نے شہر یعنی سرہند کو بسانے کا حکم دیا تو فرمان شاہی کے ذریعہ انہیں خواجہ فتح اللہ کو یہ کام اور اس کا انتظام و انصرام سپرد کیا۔

شاہی فرمان کی تعمیل میں خواجہ فتح اللہ دو ہزار آدمیوں کو ساتھ لے جا کر تعمیر کے کام میں مشغول ہو گئے، پہلے قلعہ کی بنیاد اس ٹیلہ پر رکھی جس میں جنگل تھا، تقریباً ایک ہاتھ اونچی دیوار بنائی جب دوسرا دن ہوا تو دیوار گر گئی، روزانہ یہی ہوتا تھا، دن میں دیوار چنی جاتی اور شب میں گر پڑتی تھی لوگوں نے یہ سارا ماجرا بادشاہ سے بیان کیا تو بادشاہ نے پورا معاملہ حضرت مخدوم جہانیاں کے حوالہ کر دیا۔

حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے خلیفہ اور خاص معتمد علیہ امام رفیع الدین کو حکم دیا کہ اصل موقع پر پہنچ کر حقیقت حال معلوم کریں اور قلعہ بنوائیں، حضرت مخدومؒ نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اب اس آباد ہونے والے شہر کی ولایت اور قطبیت بھی تمہارے سپرد ہے" اور اس مرد خدا کا کشف بھی درحقیقت تمہارے حق میں ہے یعنی وہ سربرآوردہ ملت تمہاری ہی نسل سے ہوگا۔

جب امام رفیع الدین اس مقام پر پہنچے اور توجہ باطنی سے کام لیا تو پتہ چلا کہ قلعہ کی تعمیر کرنے والے مزدوروں میں حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر بھی شامل ہیں۔ اور دن بھر میں چنی ہوئی دیوار اپنی توجہ سے یہی گرا دیتے ہیں امام رفیع الدین شیخ سے ملے اور پوچھا حضرت یہ کیا معاملہ ہے؟

تو آپ نے فرمایا۔ اس مرد خدا کے کشف کے مطابق ہجرت نبوی کے ایک ہزار برس کے بعد جو سربرآوردہ امت یہاں پیدا ہوگا وہ تمہاری نسل سے ہوگا، اس لئے میں چاہتا تھا کہ اس شہر کی تعمیر میں تم بھی میرے شریک بنو۔ بس تم کو بلانے کی غرض سے ہی میں دیوار گرا دیتا تھا اب تم آگئے ہو ہم تم دونوں مل کر تعمیر کا کام کریں گے، چنانچہ سرہند وہ شہر ہے جس کی تعمیر میں امام رفیع الدین اور شیخ بوعلی قلندر ایسے بلند پایہ اہل اللہ نے مزدوروں کی طرح کام کیا ہے۔

"روضۃ القیومیہ" میں یہ واقعہ جس طرح بیان ہوا ہے ہم نے اسے بے کم و کاست یہاں نقل کر دیا ہے، آپ نے دیکھا اس میں شیخ شرف الدین بوعلی قلندر کی شرکت کا بھی ذکر ہے اور اسی کی بنیاد پر حضرت مجددؒ کے بعض سوانح نگاروں نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک شہر کی تعمیر میں بوعلی قلندر کی شرکت کا واقعہ درست نہیں ہے، کیونکہ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر کی وفات ۷۲۴ھ مطابق ۱۳۲۴ء میں ہو گئی ہے اور حضرت مخدوم جہانیاں کی ولادت ۷۰۷ھ مطابق ۱۳۰۷ء میں ہوئی ہے، اس لئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ حضرت بوعلی قلندر

اور حضرت مخدوم جہانیاں دونوں ایک وقت میں ہندوستان میں موجود ہوں، علاوہ ازیں سلطان فیروز شاہ تغلق ۷۵۲ھ مطابق ۱۳۵۱ء میں یعنی شیخ بوعلی قلندر کی وفات سے ۲۸ برس بعد تخت حکومت پر بیٹھا ہے، اس بنا پر ہمارا خیال ہے کہ نفس واقعہ اگر صحیح ہے تو نام میں راوی کو دھوکا ہو گیا ہے، شیخ بوعلی قلندر کے بجائے وہ کوئی بزرگ اور درویش ہوں گے۔

بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ اس شہر کا پتہ سب سے پہلے ایک مرد باخدا کو کشف کے ذریعہ ہوا، حضرت مخدوم جہانیاں نے اس شہر کو بسانے کا مشورہ، بادشاہ کو دیا سلطان فیروز شاہ تغلق ایسے صالح اور متقی و پرہیزگار بادشاہ نے اس کی تعمیر کا فرمان جاری کیا اور حضرت امام رفیع الدین ایسے صاحب شریعت و طریقت بزرگ نے اس کی تعمیر میں مزدور کی طرح شرکت فرمائی، ان سب وجوہ کی بنا پر سرہند کے ایک بلدۂ خیر و برکت اور شہرستان امن و سعادت ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

چنانچہ روضۃ القیومیہ کی ہی روایت ہے، جس کی تائید بعض دوسرے ذرائع سے بھی ہوتی ہے کہ سرہند سے تین کوس کے فاصلہ پر براس نام ایک شہر تھا، جہاں حضرت مجددؒ کو بعض انبیائے کرام کے قبروں کا کشف ہوا تھا اس کے علاوہ خود حضرت مجددؒ اپنے مکتوب نمبر ۱۹۵ حصہ سوم دفتر اول میں سرہند کو اعظم بلاد اسلام فرماتے ہیں اور مکتوب نمبر ۲۲ حصہ ششم دفتر دوم بنام مولانا محمد صادق کشمیری میں تحریر فرماتے ہیں:

"شہر سرہند کو اکثر شہروں اور مقاموں پر بلند بخشی گئی ہے
اور اس میں بے صفتی اور بے کیفی کا نور ودیعت رکھا گیا ہے
جو بیت اللہ شریف کی سرزمین میں ظاہر ہونے والے نور
کی مانند ہے"

حضرت امام رفیع الدین جن کا ذکر ابھی آیا حضرت مجددؒ کے سلسلۂ نسب میں اکیسویں نمبر پر ہیں، جب شہر تعمیر ہو گیا تو سلطان فیروز شاہ نے آپ کو چند گاؤں بطور نیاز دیئے اور سرہند کا انتظام بھی آپ کے سپرد کیا گیا، حضرت امام کا مزار بھی یہیں ہے، ایک زمانہ میں سرہند بڑا شہر تھا حضرت امام کے ساتھ تین اور آدمی بھی اس شہر میں آکر آباد ہوئے تھے، ان سب کی اولاد یہاں خوب پھلی پھولی حضرت امام کی اولاد کابلی کے نام سے مشہور ہوئی اور دوسرے لوگ فوجداری، کردیزی اور صدیقی وغیرہ کہلوائے۔

روضۃ القیومیہ کے مصنف کے زمانہ میں سرہند میں تقریباً ۲۰ صحیح النسب قبیلے آباد تھے اور ان کے علاوہ ہزاروں گھر پٹھانوں اور مغلوں کے تھے جو آباد تھے غرضیکہ ایک زمانہ تھا جبکہ ظاہری اور معنوی دونوں حیثیتوں سے سرہند زار ہند کا گل سرسبد تھا۔

اب اگرچہ زمانہ کے انقلاب سے ظاہری طور پر یہ ایک شہر نہیں بلکہ قصبہ ہے اور وہ پہلی سی چہل پہل اور تزک و احتشام باقی نہیں ہے لیکن اس کی معنوی شان و شوکت اور باطنی رفعت و عظمت میں کوئی فرق اب بھی نہیں آیا اور اس کا سبب حضرت مجددؒ کا وہ روضۂ مقدس ہے جس کو مخاطب کر کے شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ نے فرمایا تھا۔

اے خاک پاک روضہ عبیری و عنبری
کاہل جہاں ز بوئے تو مدہوش گشتہ اند
مرے ز خاک خلد تو داری کہ اہل ارض
یک نفحہ از تو یافتہ بر چرخ رفتہ اند

حضرت مجددؒ کا انتقال ۶۳ برس کی عمر میں ماہ صفر میں ہوا تھا اس تقریب سے اسی مہینہ میں ہر برس یہاں عرس ہوتا ہے جس میں ہندوستان پاکستان اور افغانستان سے کثرت سے عقیدت مند جمع ہوتے ہیں اور تین روز تک یہاں صلوٰۃ و سلام تلاوت کلام مجید اور ایصال ثواب میں مشغول رہتے اور دامان مراد و تمنا بھر بھر کے واپس ہوتے ہیں، اس درگاہ کے سجادہ نشین اتباع شریعت نیکی اور تقویٰ طہارت میں اپنی مثال آپ ہیں، یہ سب مہمانوں کی ضیافت اور آؤ بھگت اس فراخ دلی اور خوش طبعی سے کرتے ہیں، جو یہاں سے واپس ہوتا ہے جناب موصوف کے لئے شکر گزاری کے جذبات سے پُر ہوتا ہے، عرس میں ہزاروں آدمی ہوتے ہیں لیکن کیا مجال کہ کسی کی کوئی چیز جگہ سے بے جگہ ہو جائے یا کسی کو کوئی شکایت یا تکلیف ہو، یہ بھی دراصل فیض ہے اس صاحب مزار کا جو عالم کی مہمانی اور ضیافت کے لئے آیا تھا، رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً

مولانا نور احمد صاحب
حافظ آبادی

اسلام ایک عالمگیر نظام حیات

دنیا میں جس قدر مذاہب موجود ہیں۔ ان میں (اسلام کے بغیر) کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس میں ہمہ گیری اور جامعیت کا وصف موجود ہو اور جو مختلف طبقات میں بٹی ہوئی انسانیت کی تمام ضروریات کا کفیل بن سکتا ہو۔ قطع نظر اس سے کہ وہ مذہب مشرقی ہو یا مغربی، روحانی ہو یا سیاسی، مغربی اور مشرقی مذاہب میں سے عیسائیت اور بدھ مذہب کو دیکھ لیجئے وہ اصلاحِ باطن سے آگے نہیں جاتے، یہ دونوں مذہب صرف چند اخلاقی مواعظ و نصائح کا مجموعہ ہیں جن کا تعلق افراد کی اصلاحِ نفس سے ہے لیکن انہوں نے انسان کی اجتماعی تمدنی، معاشرتی اور سیاسی ضروریات کے لئے کوئی قابلِ عمل نظام تجویز نہیں کیا۔ عیسائیت نے تو صاف کہدیا کہ کوئی دنیا دار خدا کی بادشاہت میں نہیں آسکتا"۔

ہندو ازم اگرچہ اصلاح نفس اور تزکیہ باطن کے علاوہ معاشرتی نظام کا بھی مدعی ہے۔ مگر اس کا یہ دعوے باطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ جب خود اس کے ماننے والوں میں نسلی، ملکی اور معاشرتی امتیازات موجود ہیں۔

یہی حال اُن سیاسی مذاہب کا ہے جنہیں ضروریات زمانہ کے ساتھ ساتھ مغربی خداوندوں نے خود اپنی عقل و فکر سے ایجاد کیا۔ اس دوسری قسم کے مذاہب میں یورپ کا مذہب انسانیت بہت زیادہ اور روس کا اشتراکی مذہب اس سے بھی زیادہ جاذب ہے کیونکہ اس میں حقوق انسانی کی مساوات اور عدل و انصاف کے قیام کا دعوے کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل واضح امر ہے کہ یہ مذاہب انسانی زندگی کے صرف ایک پہلو کی اصلاح چاہتے ہیں اور بس۔

پھر ان کا طریق کار اور طرزِ عمل خود اس نظام عدل اور مساوات کی تغلیط کرتا ہے جس کا قیام ان کے پیش نظر ہے کیونکہ وہ آبادی کے مفلوک الحال اور پست طبقوں کو ارباب ثروت کے خلاف ابھارتے اور ان کے خلاف غریبوں میں رشک و حسد اور منافرت کے جذبات پیدا کر دیتے ہیں۔ بقول شخصے ان کا نعرہ ہی ہے ؎

کر بھی دے بے دخل ان ارباب عز و جاہ کو
آسمانوں پر خدا کو اور زمین پر شاہ کو

اس کے معنے یہ ہوئے کہ وہ ہر صاحب اقتدار ہستی سے اقتدار چھیننا چاہتے ہیں اور انسان میں ہوسِ زر، حرصِ جاہ اور لالچ اقتدار کو مقید کر دینے کے بجائے مطلقاً آزاد چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔ اور اس طبعی آرزو کو گھٹانے کے بجائے اور زیادہ بڑھا دیتے ہیں ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں عدل و مساوات کا قیام اور معاشرے کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ بلکہ کشیدگی اور خرابی کا بڑھ جانا یقینی ہے، یہی وجہ ہے کہ آج مغربی اقوام میں شدید انتشار پھیلا ہوا ہے۔ یورپ کے کسی بھی طبقہ یا جماعت کو حقیقی امن و اطمینان کی زندگی نصیب نہیں ہے آئے دن نئے نئے قانون بنتے اور بگڑتے ہیں۔ نت نئی نئی تحریکیں اٹھتی اور مٹتی ہیں۔ کبھی اٹلانٹک چارٹر پر دستخط ہوتے ہیں اور کبھی بین الاقوامی وفاق مرتب ہوتا ہے۔

مگر کس قدر یاس و حرماں اور کس قدر بد بختی ہے کہ اقوام یورپ کو جنگ کی تباہ کاریوں سے کوئی ازم بھی نہ بچا سکا۔

ابھی کل کی بات ہے کہ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے بعد مجلس جمعیۃ الاقوام کا قیام عمل میں آیا اور یورپ کے سربراہوں نے مل کر حقوق انسانی کے تحفظ اور مساوات کا اعلان کیا اور یہ دعویٰ بھی کیا کہ اب ہمیشہ کے لئے ہم نے جنگ کا خاتمہ کر دیا ہے یعنی ہمارے اس معاہدہ کے بعد ایسے حالات و اسباب ہرگز پیدا نہ ہونے پائیں گے جن کے نتیجے میں جنگ ناگزیر ہو۔

لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ پانچیں سال بھی اس معاہدے پر نہ گزرے تھے کہ دوسری جنگِ عظیم نے نہ صرف یورپ بلکہ تمام عالم انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور امن عالم کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

سوچنے کی بات ہے کہ آخر ان مذاہب فکر میں وہ کونسی بنیادی کمزوری ہے جس کی وجہ سے وہ اصلاحِ عالم اور قیام عدل و امن سے قاصر رہے ہیں میرے ناقص خیال میں تو علاوہ ان کمزوریوں کے جن کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے خود مذاہب کی کثرت بھی فساد عالم اور طبقاتی کشمکش کا بہت بڑا سبب ہے۔ جب تک اس جڑ کو نہ کاٹ دیا جائے جس سے اختلافات اور جنگ و پیکار کا شجر خبیثہ

پھوٹتا ہے۔ اس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کثرت کا امن و بقا کثرت سے نہیں۔ بلکہ وحدت سے ہوتا ہے۔ یہ وہ فطری اصول ہے جو تمام کائنات ہستی میں کارگر ہے آسمان کی طرف نظر اٹھایئے! اس کے طول و عرض میں بے شمار کثرتیں نظر آتی ہیں جو ایک ہی مرکز سے وابستہ اور ایک ہی محور پر حرکت کر رہی ہیں زمین کے موالید ثلاثہ میں بھی یہی قانون فطرت نافذ ہے۔

ایک درخت کی شاخوں، پھولوں، پھلوں اور پتوں پر نگاہ ڈالیئے ان سب کا تعلق ایک تنے سے ہے۔ اسی طرح جسم حیوانی میں اعضاء و جوارح، ظاہری و باطنی قوتوں، عظام و مفاصل اور اعصاب و رباطات کی اس قدر کثرت ہے کہ عقل انسانی اس کی ساخت کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے۔ لیکن قدرت نے ان سب کثرتوں کو ایک ہی رشتہ وحدت میں منسلک کر رکھا ہے۔

دنیا میں ایک سلسلہ عدد و معدود کا بھی ہے جو اربوں کھربوں تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو تمام حسابی قاعدے فارمولے اور ریاضی کے تمام مسائل و اشکال بطور رجعت قہقری صرف ایک کے عدد پر ہی منتہی ہوتے ہیں۔ ایک کا عدد بمنزلہ محور ہے، ایک نہ ہو تو دو کا وجود ہی متصور نہیں ہو سکتا۔ اس سے یہ اصول نکل آیا کہ کثرت کا وجود و بقا وحدت سے ہے۔ کوئی کثرت بدوں وحدت کے نہ وجود میں آسکتی ہے نہ زندہ رہ سکتی ہے۔ البتہ وحدت بغیر کثرت کے پائی جا سکتی ہے۔ درخت کو اوپر سے کاٹ دو تو جڑ پھر پھوٹ کر بار آور ہو سکتی ہے مگر جڑ کے بغیر درخت کا وجود غیر ممکن ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اقبال مرحوم نے اشارہ کیا ہے ؎

زندہ ہر کثرت ز بند وحدت است
وحدت مسلم ز دین فطرت است

جب یہ اصول مسلم و شاہد ہے تو اس کرۂ ارضی پر عالم انسانیت کی تمام کثرتوں کے لئے بھی ایک ہی رشتہ وحدت کا ہونا ضروری ہے جس میں منسلک ہو کر تمام افراد انسانی پُر امن زندگی گذار سکیں۔ ایک سے زیادہ مذاہب کا ہونا گویا انسانیت کی موت ہے۔

وہ رشتۂ وحدت دین فطرت ہی کا رشتہ ہے جس کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے۔

اسی دین فطرت کا نام "الاسلام" ہے جسے مختلف اوقات میں انبیاء علیہم السلام نے پیش فرمایا اور جسے بالآخر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور قدرت نے اپنی آخری کتاب میں اعلان فرمایا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا یعنی آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو بطور مذہب پسند کیا"

یہی وہ دین ہے جو تمام انسانی ضروریات کا کفیل بن سکتا ہے جس کا قانون اٹل اور ضابطہ نا قابلِ ترمیم و تنسیخ ہے۔ کیونکہ یہ اس خالق کا بنایا ہوا ہے جس کا علم محیط ہے، جس کے علم و معلومات میں غلطی کا امکان تک نہیں ہے۔ جس کی ذات میں شفقت بھی ہے اور رحمت بھی، جس کی ذات مفاد پرستی اور خود غرضی سے بالاتر ہے جو مخلوقات کی تمام ضروریات کو جانتا اور پوری کر سکتا ہے وہ کہتا ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ بے شک خدا کے یہاں (قابل اعتبار) دین اسلام ہی ہے۔

دین اسلام دوسرے ادیان کی طرح چند مراسم عبادت کے مجموعہ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک کامل ضابطہ حیات ہے جس کا ہمہ وقت انسان کو پابند رہنا لازمی ہے خواہ وہ مسجد کے اندر ہو یا اس سے باہر، گھر پر موجود ہو یا بازار میں۔ غریبی میں ہو یا امیری میں عام رعایا کا فرد ہو یا تخت حکومت پر متمکن ہو۔ کوئی ہو کہیں ہو۔ کسی حال میں ہو۔ اگر وہ مسلم ہے تو اسے اسلامی قوانین کا پابند رہنا پڑے گا۔ کیونکہ اسلام نام ہی کامل اطاعت اور فرمانبرداری کا ہے۔

اسلام بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے تین قسم کی اصلاحات نافذ کرتا ہے۔ شخصی اصلاحات اجتماعی اصلاحات بین الاقوامی اصلاحات اگر انسان ان اصلاحات کی قیود و شرط کو قبول کرلے تو دنیائے فساد امن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ اور انسانیت کے ہر فرد کو دین و دنیا کی سعادت حاصل ہو سکتی ہے۔

شخصی اصلاحات

شخصی اصلاحات سے مراد وہ قوانین ہیں جن کا تعلق افراد سے ہے، یعنی تعلیمات اسلامی کا وہ حصہ جو افراد کی شخصی زندگی کی اصلاح سے متعلق ہے۔ اس سلسلہ میں اسلام سب سے پہلے خدا تعالیٰ کی فرمانروائی اور محاسبۂ آخرت کا عقیدہ پیش کرتا ہے کیونکہ جب تک انسان اپنے اوپر کسی مقتدر ہستی کی حکمرانی تسلیم نہ کرے اور اس کے مواخذہ و محاسبہ اور اس کے سامنے جواب دہی کا خوف اپنے دل میں پیدا کرلے اس وقت تک وہ کسی بھی پابندی کو قبول نہیں کر سکتا اس لئے قرآن پاک بار بار کہتا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ اللہ سے ڈرو

وَاعْبُدُوا اللہ۔ اللہ کی بندگی اختیار کرو۔

وَاتَّقُوْا یَوْمًا (آلایۃ) جزا وسزا کے دن سے ڈرتے رہو۔

یہ عقیدہ راسخ ہو جانے کے بعد اسلام اپنے ماننے والوں کو اخلاقِ رذیلہ مثلاً کذب و بہتان، حسد و کینہ، چغلی، بدظنی اور دشنام طرازی سے روکتا ہے اور اخلاقِ فاضلہ مثلاً صدق و عفت، عدل و انصاف اور مروت و احسان وغیرہ کی تعلیم دیتا ہے۔

اسلام اپنے ماننے والوں کے ظاہر و باطن پر پابندی عائد کرتا ہے وہ کہتا ہے ظاہر و باطن کی سب برائیوں کو چھوڑ دو بلکہ فواحش و منکرات کے قریب بھی نہ پھٹکو۔

اسلام نے انسان کے ایک ایک عضو پر پابندی لگادی ہے وہ کہتا ہے کان، آنکھ، دل اور دوسرے اعضاء سب اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں لہٰذا اسی کے حکم کے ماتحت رہنے چاہئیں ورنہ یہ اپنے اعضا ہی قیامت کے دن انسان کے خلاف شاہد ناطق ہوں گے۔

اسی لئے اسلام کے داعی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی شخص کو تکلیف نہ پہنچے ایک اور حدیث میں ہے آپ نے زبان کو پکڑ کر فرمایا کہ یہ زبان ہی آدمی کو دوزخ میں لے جاتی ہے اور یہ زبان ہی جنت میں لے جاسکتی ہے۔

مختصر طور پر یہ وہ شخصی احکام ہیں جن پر چلنے سے تزکیۂ نفس ہو جاتا ہے اور آدمی مسلم معاشرے کا ایک مفید فرد بن سکتا ہے۔

جماعتی اصلاحات

شخصی اصلاحات کے بعد دوسرا نمبر جماعتی اصلاحات کا ہے۔ اس سے مراد وہ احکام و قوانین ہیں جن کا تعلق جماعتی زندگی سے ہے جماعتی زندگی میں سب سے اونچا مقام اولی الامر اور بادشاہ کا ہے۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری اگرچہ خدا و رسول کی طرح لازم قرار دی گئی ہے لیکن اسلام نے شاہانِ دنیا کی طرح اسے مطاع مطلق اور معصومیت کا درجہ نہیں دیا بلکہ خلیفہ و نائب کی حیثیت دی ہے اور اس کی اطاعت کو طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق کے ساتھ مقید کر دیا ہے چنانچہ آپ نے تاریخ میں پڑھا ہوگا کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق کو خطبہ کی حالت میں ایک شخص نے یہ کہہ کر روک دیا لَا سَمْعًا وَلَا طَاعَۃَ۔ جب تک اس کی تسلی نہیں کر دی گئی آپ آگے نہیں بڑھے۔ اسلام نے امراء و رؤسا کو عدل و انصاف، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے اور ظلم و فساد، کبر و غرور، سلب و نہب اور قتل و قتال سے روکا ہے۔ وہ کہتا ہے :-

لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللہُ اِلَّا بِالْحَقِّ

یعنی کسی جان کو ناحق قتل نہ کرو۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ مقتول کا قصاص لازم ہے اس میں تمہارے لئے زندگی ہے ہاں اگر مقتول کے ورثا تاوان لے کر راضی ہو جائیں تو دوسری بات ہے۔

اسلام سرمایہ داروں کے حق ملکیت کو تسلیم کرتا ہے بشرطیکہ وہ جائداد خود پیدا کردہ اور جائز وسائل سے حاصل کی گئی ہو مگر اس کے ساتھ ہی ہوسِ مال و زر اور مایہ پرستی کے جذبات کو ختم کرنے کے لئے ان پر پابندیاں عائد کرتا ہے۔

چنانچہ اسلامی قانون میں سود، سٹہ بازی اور احتکار و اکتناز کو اسی لئے حرام قرار دیا گیا ہے اور تمام صنعتی اور کاروباری اداروں پر قیود و شرائط عائد کر دی گئی ہیں۔ تاکہ کوئی سرمایہ دار ناجائز استحصال نہ کر سکے۔

دوسری جانب اسے خراج و عشر اور زکوٰۃ کا ٹیکس اور عام خیرات کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ تاکہ ایسی رقوم جماعتی خزانہ میں جمع ہو کر غربا اور دیگر مصارف پر صرف ہوتی رہیں اور معاشرہ میں اقتصادی توازن قائم رہے اسی سلسلے میں ورثہ کی تقسیم اور قرض حسنہ کا بھی حکم دیا تاکہ دولت چکر میں رہے اور چند افراد کے قبضہ میں سمٹ کر نہ رہ جائے۔

اسی طرح اسلام نے جوا، شراب، زنا اور چوری ایسے فواحش سے نہ صرف روکا ہے بلکہ سخت ترین سزائیں مقرر کی ہیں کیونکہ یہی وہ گناہ ہیں جو فساد و عداوت کی اصل جڑ ہیں۔

اصلاحات بین الاقوامی

اسلامی تعلیمات کا ایک حصہ بین الاقوامی اصلاحات پر مبنی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان حیث القوم دوسری قوم کے ساتھ کس قسم کے تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں اور اسلام سے باہر کی دنیا کے ساتھ ان کا سلوک کیسا ہونا چاہئیے۔

اس بارے میں اسلام بلا لحاظ مذہب و ملت ہر قوم کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے اور عام انسانی تعلقات قائم رکھنے کی اجازت دیتا ہے حتیٰ کہ دشمن اور محارب قوم کے ساتھ بھی حسن کلام وفائے عہد اور رواداری کی تعلیم اس کا طغرائے امتیاز ہے۔

تاریخ میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام نے یہودیوں عیسائیوں اور مشرکوں کے ساتھ سیاسی معاہدے کئے پھر ان کو پورا کیا۔

اسلام نے اعلائے کلمۃ اللہ، ضعیفوں اور کمزوروں کی آزادی کے لئے جنگ کو لازم قرار دیا ہے۔ لیکن اس میں بھی یہ ضروری ہے کہ بدعہدی نہ کی جائے۔ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کی جائے۔ آبادیوں، عبادت خانوں اور سرسبز کھیتوں کو ویران نہ کیا جائے دشمن قوم صلح کا ہاتھ بڑھائے تو صلح کے آگے جھک جانا چاہئیے۔

یہی وہ صدائے حق تھی جو آج سے تقریباً چودہ صدیاں قبل ابو قبیس کی پہاڑیوں سے بلند ہوئی، جو رسول ہاشمی صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ

سے نکلی جس سے باطل مٹ گیا۔ حق ابھر آیا۔ ظلم و بدی کا خاتمہ ہو گیا۔ عدل و انصاف کا تخت بچھ گیا۔ ظالموں کے ہاتھ جکڑ دیئے گئے مظلوموں کے چہروں پر بہار آگئی۔

ہاں یہی وہ آواز تھی جس نے دشمنوں کو دوست، راہزنوں کو راہنما اور جاہلوں کو عالم بنایا اور نہایت ہی قلیل عرصہ میں دنیا کی کایا پلٹ دی۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی ؎
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
اک آواز میں سوتی بستی جگا دی
نئی اک لگن سب کے دل میں لگا دی

وہ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ آج ہم میں موجود نہیں ہے مگر اس کا ابدی پیغام، نہ بدلنے والا نظام اور اس کا آخری جام شریعت آج بھی ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم حق و صداقت کے اس عالمگیر پیغام کو پھیلائیں اور تمام دنیا کو جام توحید سے سرشار کر دیں۔ اس لئے کہ اس ہادیٔ برحق نے ہمیں اپنی نیابت سے سرفراز فرمایا ہے۔

اسی میں ہماری زندگی ہے اور اسی میں دنیا کی فلاح و بہبود کا راز مضمر ہے ؎

خدمت ساقی گری بر ما گذاشت
داد مارا آخریں جامے کہ داشت

تا ز آئینِ وحدت زبردستِ ما رود
ہستی ما با ابد ہمدم شود

بقیہ : اداریہ

رکھنے والے ممبروں کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

ان حضرات نے اپنے عہد اور ملک کے معاملہ میں اپنے عزم کو دہرانے کے لیے ہی اس کنونشن کا اہتمام کیا جو دنیا کے ممالک میں منفرد نوعیت کا حامل ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حکومت پر اس کا ردِ عمل کیا ہوتا ہے؟ بہتر ہے کہ حکومت طوفان اٹھنے سے پہلے ناخن ہوش سے کام لے کر مسائل کے سلجھانے کا اہتمام کرے ورنہ پرسکون سطح آب کے نیچے چھپے ہوئے طوفان ان کے سنگھاسن کو لے ڈوبیں گے۔

ہم ایک بار پھر حکومت کو تدبر و ہوشمندی سے کام

لینے کا کہوں گا اور حزب اختلاف کے بہادر کارکنوں کی مخلصانہ جدو جہد پر انہیں مبارکباد کہوں گا اور عرض کروں گا کہ ہمت نہ ہارو، رات کی تاریکی چھٹ کر صبح کی روشنی کے طلوع کا وقت قریب ہے اور انشاء اللہ کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔

فرمودات حضرت علی کرم اللہ وجہہ

۱۔ "قرآن مجید" علماء کی پیاس کے لئے سامانِ سیرابی ہے۔ فقہاء کے دلوں کے فصلِ بہار، صلحاء کے لئے جادۂ مستقیم ارباب بحث و نظر کیلئے برہانِ قوی، طلبائے علوم کے لئے علم کا انمول خزانہ، اربابِ حکومت کے لئے ایک محکم دستورِ اساسی، اصحاب روایت کے لئے حدیث جانفزا اور تشنگانِ تحقیق و جستجو کے لئے امید و رجاء کا سب سے بڑا سہارا ہے۔

۲۔ وہ عبادت اچھی نہیں جس کے ساتھ علم نہ ہو اور بغیر فہم کے علم بیکار ہے اور بغیر تدبر کے قرأت قرآن بیکار ہے۔

۳۔ سب دولتوں سے بہترین دولت عقل سلیم ہے۔

۴۔ جس نے اپنے نفس اور اپنی ذات کو سمجھ لیا اس نے گویا اپنے رب کو پہچان لیا۔

۵۔ دنیا والے جس کا باپ مر جائے اس کو یتیم کہتے ہیں۔ لیکن میں یتیم اس کو کہتا ہوں جو علم الٰہی سے محروم ہو۔

۶۔ صبر کو ایمان سے وہی نسبت ہے جو سر کو جسم سے جس طرح سر کے بغیر جسم کا وجود ممکن نہیں اسی طرح صبر کے بغیر ایمان کا وجود بھی محال ہے۔

۷۔ جو غلطی دیدہ و دانستہ اور جان بوجھ کر کی گئی ہو وہ ناقابلِ معافی ہے۔

۸۔ جو اپنے آپ کو نہ پہچان سکا سمجھو وہ جیتے جی مر گیا۔

(رستم علی ناصر جوئیہ بنگلہ)

بنات الاسلام — خواتین کا صفحہ

حضرت خدیجہؓ کی وفات

تحریر: بیگم فخر النساء انور، لاہور

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب آپؐ کی باتوں کو حق سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ کہتے ہیں وہی حق ہے لیکن اسلام قبول کرتے ہوئے شرم کرتے تھے۔ ان کا رعب و وجاہت اور خدیجہؓ کی دنیاوی عزت و شرافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کی ایذارسانی سے بچانے میں ایک بہت بڑے محافظ کا کام دیتی تھی۔ اب اللہ تعالےٰ کو یہ دکھانا منظور تھا کہ بلا ظاہری مددگار کے ہم اپنے سچے نبی کی کیسے حفاظت کرتے ہیں ابوطالب کی عمر اسی برس سے زیادہ ہو گئی تھی۔ نبوت کے دسویں سال ان کو موت کا پیغام پہنچا۔ آنحضرتؐ کو ان کے انتقال پر بہت رنج ہوا۔

یہ مصیبت آپ کے مبارک اور پاک دل کو پریشان کرنے کے لیے کچھ کم نہ تھی کہ ایک اور اس سے بڑھ کر آفت کا سامنا ہوا۔ ہمیشہ کی ہمدم و ہمدرد، خادم و جان نثار بیوی سے بھی جدائی پیش آئی یعنی ابوطالب کے چند روز بعد خدیجہؓ کو سفرِ آخرت پیش آیا۔ اس نیک اور پاک دامن بی بی نے پینسٹھ برس کی عمر میں چند روزہ دنیا سے منہ پھیر کر آخرت کا رستہ لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی جدائی سے نہایت کلفت اور سخت رنج ہوا۔ اس وقت نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ اس لیے غسل اور کفن کے بعد ان کو مدینہ کے مقبرہ حجون میں دفن کیا گیا۔ اب آپ کو دوہرا صدمہ ہوا۔

خدیجہؓ کی محبت اور خدمت گزاری کا خیال تو آپ کو ہمیشہ ہی رہا اور تمام عمر یاد فرماتے رہے۔ خدیجہؓ نے ۲۴ سال ۶ ماہ آپؐ کی بابرکت خدمت اور نکاح میں رہ کر آپؐ کو آرام پہنچایا۔ یہ مدت نہایت خوبی سے بسر ہوئی اور وہ بھی دل سے آپ کی قدر کرتی تھیں۔ آپؐ کو بھی حضرت خدیجہؓ سے پوری محبت تھی جب تک وہ زندہ رہیں حضورؐ نے دوسرا نکاح نہ کیا۔ باوجود بہت سے نکاح ہونے کے برابر ان کو یاد فرمایا کرتے تھے۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ آپؐ گھر آئیں اور ان کا ذکر نہ آ جاتا ہو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگرچہ خدیجہؓ کو میں نے دیکھا بھی نہیں لیکن مجھے اتنی غیرت اور رشک آپؐ کی کسی بی بی پر نہیں آیا۔ جتنا خدیجہؓ پر آتا تھا۔ آپؐ ان کو اکثر یاد فرماتے تھے۔ اور اگر گوشت وغیرہ کبھی کوئی چیز تقسیم کرنے کے قابل ہوتی تو خدیجہؓ کی سہیلیوں کو بھیجا کرتے۔

سبحان اللہ! وفاداری اور یادگاری اسی کو کہتے ہیں۔ خدیجہؓ کی وفات کو عرصہ گزرنے کے بعد ایک دفعہ آپؐ گھر میں بیٹھے تھے۔ باہر سے خدیجہؓ کی بہن نے آواز دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خدیجہؓ کی آواز سمجھ کر چونک گئے۔ پھر فوراً ہی خیال آیا۔ کہ ان کی بہن پکارتی ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ ایک مرتبہ آپؐ نے بہت تعریف فرمائی تو میں نے کہا۔ بس آپؐ قریش کی اس بڑھیا کو کب تک یاد کیجئے گا۔ خدا نے آپؐ کو اس سے اچھی اچھی بیویاں عطا فرما دی ہیں۔ آپؐ غصہ سے کانپ گئے اور فرمایا نہیں اس سے بہتر زوجہ نہیں ملی اُس نے ایسے وقت میں میری مدد کی۔ جب کسی کے مال سے بھی مجھے سہارا نہ تھا۔ اور خدا نے مجھے اس سے اولاد عطا کی اور سب بیبیوں سے اولاد سے محروم رکھا۔ تو پھر میں نے عہد کیا کہ آئندہ خدیجہؓ کو کبھی برائی سے یاد نہ کروں گی۔ ایک بہت بڑی فضیلت و عزت جو دنیا میں کسی کو بھی حاصل

نہیں وہ حضرت خدیجہؓ کو حاصل ہے کہ وہ تمام دنیا میں سب سے پہلے اسلام لائیں۔

جبرائیل علیہ السلام نے ایک دفعہ آکر عرض کیا یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) خدیجہؓ ایک برتن میں کھانا لیے ہوئے آتی ہیں۔ جب آپؐ کے پاس پہنچیں تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اور میری طرف سے انہیں سلام کہہ دینا اور ان کو جنت میں موتی کا ایک مکان مل جانے کی خوشخبری سنا دینا جس میں آرام ہی آرام ہوگا تکلیف کا نام تک نہ ہوگا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ زمین و آسمان کی بہترین عورتوں میں خدیجہؓ ہیں۔ ان کی دینی فضیلتوں کو لیے ہوتے جن کا اندازہ ان حالات سے ہو سکتا ہے۔ خدیجہؓ عقل و دانائی، ہوشیاری اور بلند ہمتی کے زیور سے آراستہ تھیں۔ خدیجہؓ کی عقل کی ایک بہت بڑی بات یہ بھی تھی کہ آپؐ کو اپنی تجارت کے لیے پسند کیا تھا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھ لڑکے لڑکیاں دیں سب سے اوّل قاسمؓ پیدا ہوتے جو چار برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ پھر زینبؓ جن کا نکاح حضورؐ نے ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاصؓ سے کر دیا تھا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ زینبؓ سب سے بڑی تھیں پھر ان کے بعد عبداللہ پیدا ہوتے جنہوں نے دو سال کی عمر میں انتقال کیا۔ پھر رقیہؓ پیدا ہوئیں جن کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی تھی۔ پھر ام کلثومؓ پیدا ہوئیں یہ بھی اپنی بہن رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں۔ آخر میں فاطمۃ الزہراءؓ پیدا ہوئیں۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنے بچوں کی تربیت نہایت شفقت و محبت سے کی۔

بقیہ: محفل خیر و برکت

ہے جو اس نے خلیفہ کو کہی تھی جبکہ اس نے امام الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کا استقبالی جلوس دیکھا تھا کہ حقیقی شاہی و حکمرانی تو یہ ہے کہ ایک فقیر بے نوا دور دراز سے آیا ہے اور سارا بغداد کھنچ کر باہر آگیا۔ ظاہر ہے کہ یہ اعزاز صرف اس لیے ہے کہ وہ خادم علوم دین اور وارث پیغمبرؐ عربی ہیں۔

ماہ رواں کی پہلی جمعرات کو احقر حاضر تھا۔ حاضری خلافِ معمول زیادہ تھی اور اس کا ایک سبب جمعیۃ علماء اسلام کی مجوزہ کانفرنس بھی تھی جو ۱۲ مارچ سے لاہور میں شروع ہونے والی تھی لیکن حکومت نے بروقت مداخلت کر کے بند کر دی۔

بہرحال مسجد شیرانوالہ میں ارباب اخلاص کا ایک ہجوم تھا۔ مغرب کے بعد حسب سابق ذکر کی محفل منعقد ہوئی۔ بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ خیر و برکت کا نزول میرے جیسا اس راہ سے ناآشنا انسان بھی محسوس کر رہا تھا۔ مجلس کے بعد حضرت اقدس نے طویل دعا مانگی جس میں ملکی اور قومی تمام تر مسائل کو الگ الگ بیان کر کے آپ نے صلاح و فلاح کی دعا مانگی۔ ساتھ ہی حضرت نے فرمایا۔ کہ حضرت مولانا محمد اجمل مختصر خطاب فرمائیں گے۔

چنانچہ نماز مغرب کے بعد جمعیۃ علماء اسلام کے اس بہادر خطیب نے گھنٹہ سے زیادہ خطاب کیا۔ خطاب کیا تھا علوم و معارف کا ایک سمندر جس میں توحید باری تعالیٰ، رسالت و ختم نبوت اور علم و علماء کی حقیقت و فضیلت سب کچھ تھا۔

آپ نے مجوزہ آئین شریعت کانفرنس بند کرنے پر سخت احتجاج کیا اور کہا کہ حکمرانوں کو اپنی روش تبدیل کرنی چاہیے اور غلام محمد سے لے کر یحییٰ خاں تک کے انجام پر نظر نہیں رکھنی چاہیے۔

آپ نے ایوبی آمریت کے دوران جانشین شیخ التفسیرؒ کے جذبہ حریت و استقلال کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا اور کہا کہ ایک اللہ والے پر اس وقت ظلم کیا گیا تو حکومت کا بیڑا ہو گیا۔ جبکہ آج کی حکومت کی ناوک افگنی کا ہر کہ و مہ شکار ہے ایسے میں اسے اپنا انجام بھولنا نہ چاہیے۔

اس روحانی محفل سے اٹھ کر جب میں واپس ہونے لگا تو ایک عجیب طمانیت و سکوت کا عالم مجھ پر طاری تھا اور میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ اللہ والوں کی کٹیا میں جو خیر و برکت ہوتی ہے اس کا عشر عشیر بھی شہنشاہوں کے محلات میں نظر نہیں آتا۔

طبی معلومات

وجع الورک اور عرق النسا

استاذ الحکماء حکیم آزاد شیرازی (سابق پرنسپل طبیہ کالج) مدیر تذکرہ، لاہور

آج کی ڈاک میں دو خط موصول ہوئے ہیں۔ جن میں وجع الورک اور عرق النساء کے دو مریضوں کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ یہ خط اور ان کے جوابات افادۂ عوام کی خاطر شائع کیے جا رہے ہیں۔

پہلا خط جناب محمد جمیل بی، اے آفس سپرنٹنڈنٹ سیمنٹ فیکٹری ڈنڈوت کا ہے۔ فرماتے ہیں "میں آپ کے مضمون سے اتفاق کرتا ہوں کہ مویز منقیٰ اور خاکستی وغیرہ خسرہ کے دانے نکالنے کے لیے سو فیصد کامیاب علاج ہے۔ میں نے ڈاکٹروں کے ہاتھوں لٹنے والے بے شمار لاعلاج مریض اس طریقہ سے شفایاب ہوتے دیکھے ہیں۔ میرے ایک عزیز عرصہ دس یوم سے ایک مرض میں مبتلا ہیں۔ یہ درد کولھے سے اوپر ریڑھ کی ہڈی سے اٹھتا ہے۔ اور بائیں ٹانگ سے ہوتا ہوا پاؤں تک جاتا ہے۔ جس سے چل پھر نہیں سکتے۔ ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ اس کا علاج نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے تختوں پر لٹا رکھا ہے اور ہلنے جلنے کی اجازت نہیں۔ براہ کرم بتایئے کہ اس کا علاج طب یونانی میں ہے یا نہیں؟"

دوسرا خط جناب محمد شجاع امداد اللہ ٹریڈنگ کمپنی بہاولپور کا ہے۔ کہتے ہیں "میں نے پچھلے ماہ صبح اٹھ کر رات کے ٹھنڈے دودھ سے ناشتہ کیا۔ ڈیڑھ بجے دوپہر ریڑھ کی ہڈی میں شدید درد ہوا۔ انگریزی، دیسی ادویات استعمال کیں۔ آہستہ آہستہ یہ درد ختم ہوتا گیا۔ لیکن اب ریڑھ کی ہڈی میں اس کے اختتام پر درد شروع ہوتا ہے اور دائیں ٹانگ میں گھٹنے تک اکثر درد ہوتا ہے۔ اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے یہ درد ہوتا ہے۔ مناسب دوائی وی پی کر دیں یا کوئی نسخہ تجویز کر دیں"

جواباً گزارش ہے کہ دونوں مریض ایک ہی مرض میں مبتلا ہیں۔ جو درد کولھے کے جوڑ یا ریڑھ کی ہڈی کے اختتام پر ہوتا ہے۔ طب یونانی کی اصطلاح میں اسے وجع الورک کہتے ہیں۔ اور جو درد کولھے سے پیدا ہو کر نیچے اتر آتا ہے اسے عرق النسا کہتے ہیں۔

طب مشرق میں صرف بیماری کا نہیں بلکہ بیمار کا علاج کیا جاتا ہے اور ہر بیمار کا معائنہ اسی لیے ضروری ہے۔ اس کے جملہ حالات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ عمر، جسم، پیشہ، آب و ہوا، موسم، جنس۔ غرض مریض کا ہر طرح سے معائنہ کر کے اسباب مرض معلوم کیے جاتے ہیں اور پھر تشخیص مرض کے بعد نسخہ تجویز کیا جاتا ہے۔

وجع الورک اور عرق النسا اگر دواؤں کے استعمال سے دور نہ ہوں تو طب مشرق میں فصد کے ذریعے اس کا علاج تجویز کیا گیا ہے۔ ہمارے ملک میں فصد کا رواج بہت کم ہو گیا ہے اور فصد کے ماہرین بھی شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔ عرق النسا ایک گرہ دار رگ ہے جو پاؤں کے باندھنے سے معلوم ہوتی ہے۔ اگر باندھنے پر پنڈلی پر پائی جائے تو بہتر ورنہ پاؤں کی پشت پر خنصر اور بنصر (چھوٹی انگلی اور اس کے پاس کی انگلی) کے درمیان فصد کھولی جائے۔ مرض عرق النسا کے لیے از حد مفید ہے۔ بشرطیکہ فصد کسی ماہر سے کھلوائی جائے۔

وجع الورک اور عرق النسا بلکہ جملہ عصبی دردوں، نیز جوڑوں کے دردوں کے لیے یہ نسخہ نہایت کامیاب ہے۔

ہوالشافی: تخم اسپند ۴ تولہ، مقل ازرق ۳ تولہ مالکنگنی ۲ تولہ، سورنجاں تلخ ۱ تولہ۔

سب کو کوٹ کر سفوف بنا لیں۔

مقدار خوراک: ایک ماشہ صبح و شام پانی کے ساتھ دیں۔

اس مرض میں قبض ہرگز نہ ہونے دیں۔ لہٰذا قبض رفع کرنے کے لیے یہ گولیاں تیار کر لیں۔ اور ہر خوراک کے ساتھ ایک گولی بھی کھلائیں یا رات سوتے وقت دو گولیاں کھلاتے رہیں۔

ھوالشافی: ست صبر سقوطری ۱ تولہ، شحم حنظل ۶ ماشہ، غاریقون ۶ ماشہ، سقمونیا ۶ ماشہ، اجوائن خراسانی ۶ ماشہ، سب کو الگ الگ پیس کر یکجا کریں اور شہد میں چنے کے برابر گولیاں بنا لیں۔

مقام درد پر مالش کرنے کے لیے مندرجہ ذیل روغن تیار کریں اور روزانہ ایک دو مرتبہ مالش کریں:

ھوالشافی: پوست بیخ کنیر سفید، پوست بیخ کنیر سرخ ہر ایک ۵ تولہ تازہ لے کر دونوں کو کچل کر دو سیر گائے کے دودھ میں جوش دے کر دودھ کو جامن دے کر دہی جمائیں۔ دہی کو بلو کر مکھن نکالیں۔ پھر دس تولہ شیر مدار کو مکھن میں ملا کر یکجان کر لیں۔ اب آب برگ دھتورہ دس تولہ کو دس تولہ روغن کنجد میں جلائیں اور اس تیل کو مکھن میں ملا کر پکائیں تاکہ تمام رطوبات جل کر صرف تیل رہ جائے۔

ایک عام اور دیسی نسخہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

ھوالشافی: سورنجان شیریں، پوست ہلیلہ زرد اور صبر سقوطری ہموزن لے کر پیس لیں۔

روزانہ تین خوراکیں (بقدر ۱ ماشہ تا ۲ ماشہ) پانی کے ساتھ کھلائیں اور مالش کے لیے سورنجان تلخ ۱ تولہ کو پیس کر آدھ پاؤ کسٹرائیل ارنڈی کے تیل میں کھرل کر کے ملائیں اور روزانہ صبح و شام مالش کریں۔

علاوہ ازیں معدہ اور جگر کی اصلاح اور تقویت ہضم کے لیے حب کبد نوشادری صبح و شام کھانے کے بعد دو دو ٹکیاں پانی کے ہمراہ کھلائیں۔

بقیہ: اتباع سنت اور...

اور پھر یہ قطعہ پڑھا ؎

گرد نعل اسپ سلطان شریعت سرمہ کن
تا شود نور الٰہی بادہ و حسنت مقترن

(انوار العیون ص ۱۹۳)

فنا فی الرسول کی صوفیانہ اصطلاح کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے بڑے پتہ کی بات کہی۔ فرمایا:

"افعال ظاہری رسول اللہ علیہ وسلم بسہولت اور بے تکلف ہونے لگنا۔ یہی فنا فی الرسولؐ ہے اور کچھ نہیں"۔ (ارشاد رحمانی ص ۳۶)

اور ولایت کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا وہ مولانا محمد علی مونگیری کے الفاظ میں سنیے:

"ولایت اسی کو کہتے ہیں کہ احکام شریعت بے تکلف ہونے لگیں اور افعال شریعت ایسے ہو جائیں گویا امور طبعی ہیں"۔ (ارشاد رحمانی ص ۳۶)

چونکہ علوم اسلامیہ قرآن، حدیث اور فقہ اتباع سنت کے بہترین طریقے ہیں اور ان کے ذریعہ اسلامی زندگی نکھر کر سامنے آتی ہے۔ اس لیے ان علوم کی عظمت دوسرے علوم کے مقابلہ میں آپ کے دل میں بہت تھی۔ بقول مولوی تجمل حسین مرحوم ایک مرتبہ کانپور کے ایک مشہور مدرس تشریف لائے جو بڑے معقول تھے۔ آپ نے دوران گفتگو جب پوچھا کیا پڑھاتے ہو تو انہوں نے کہا منطق؟

فرمایا۔ اس سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے حدیث اور فقہ پڑھایا کرو۔ (فضل رحمانی ص ۱۴۳)

اسی طرح علماء سے بڑی محبت تھی ان کا بڑا احترام فرماتے۔ کیونکہ یہ لوگ دین کے خادم ہیں اور ان کے ذریعہ اعمال و افعالِ دین کا پتہ چلتا ہے۔ ہرچند کہ آپ کی محفل قدسی میں نواب، امراء، رؤساء اور اعیان سلطنت تک آتے لیکن مولانا عبدالحی لکھنوی، مولانا احمد علی سہارنپوری اور امیر احمد سہسوانی جیسے لوگ آتے تو بڑے خوش ہوتے۔ اعزاز سے بٹھاتے اور ان کی خدمت میں فرحت محسوس کرتے۔

یہ چند سطور جو کچھ اصل کتابوں اور باقی تذکرہ گنج مرادآبادی مرتبہ مولانا سید علی میاں سے دیکھ کر لکھی گئی ہیں ان سے اہل اللہ کے صحیح مقام کا پتہ چلتا ہے کہ وہ ہر آن اتباعِ سنت کا خیال رکھتے ہیں۔ خدا ہمیں بھی متبع سنت بنائے۔

وما علینا الا البلاغ۔

عدلِ فاروقیؓ کا ایک غلط واقعہ

علامہ ابوالخیر اسدی، ملتان

یہ قصہ عوام و خواص میں بہت مشہور ہے، کہ ابو شحمہ جو حضرت عمرؓ کے لڑکے تھے شراب پی کر ایک عورت کے ساتھ زنا کے مرتکب ہوئے پھر اس عورت سے ایک لڑکا پیدا ہوا وہ عورت اس بچے کو لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور کہا حضور! یہ بچہ ابو شحمہ کے زنا سے ہے اور مکمل تفصیل بیان کر دی۔

حضرت عمرؓ نے جلال میں آکر ابو شحمہ پر زنا کی حد لگائی، ابھی حد کے کوڑے باقی تھے کہ ابو شحمہ کی روح پرواز کر گئی۔ حضرت عمرؓ نے حدود شرعیہ کی غیرت کی وجہ سے باقی کوڑے اس کی لاش پر لگوائے۔

یہ اس طویل واقعہ کا ملخص اجمال ہے۔ اس واقعہ کو واعظین حضرات اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کی چیخیں نکل جاتی ہیں اور مسلمان اس غلط واقعہ کو عدالتِ فاروقؓ کا ایک امتیازی کارنامہ تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ واقعہ سراسر جھوٹا ہے۔

علامہ محمد طاہر محدث فتنیؒ لکھتے ہیں:۔

۱۔ حدیث ابی شحمۃ وزناہ لا یصح بل وضعہ القصاص۔

"ابو شحمہ اور اس کے زنا کا واقعہ بالکل غلط ہے بلکہ یہ واقعہ پیشہ ور واعظوں کی ایجاد ہے۔"

(تذکرۃ الموضوعات ص۱۸۱)

۲۔ محدث ابوالحسن کنانی اور امام سیوطی لکھتے ہیں:۔

فالمتفق انہ مرض فمات۔

"تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ ابو شحمہ بیمار ہو کر فوت ہوئے تھے۔"

(تنزیہ الشریعۃ ج۲ ص۲۲۲۔ اللآلی المصنوعۃ ج۲ ص۱۹۴)

محدث شوکانی لکھتے ہیں:

قصۃ ابی شحمۃ موضوع والمتفق انہ مرض فمات

ابو شحمہ کے زنا کا واقعہ غلط ہے۔ تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ بیمار ہو کر فوت ہوئے (فوائد المجموعۃ ص۱۳۵)

محدث ابن جوزی لکھتے ہیں:۔

لا یجوزان یصدر من مثل عمرؓ۔

"ایسے واقعہ کو حضرت عمرؓ سے نسبت دینا، یہ ان کی شان سے بھی بعید ہے۔"

(تاریخ عمر بن خطاب لابن جوزی ص۲۳۹)

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

"ابو شحمہ اور اس کے زنا کے واقعہ کو محدثین نے موضوع اور باطل کہا ہے۔"

(بوادر النوادر ج۱ ص۲۲۹)

تعریف کے بھیس میں

صحابہؓ پر اتہام

جو علماء اور واعظین اس واقعہ کو سٹیجوں پر بیان کرتے ہیں وہ درحقیقت تعریف کے بھیس میں حضرت عمرؓ کی جلالت و مرتبت کو مجروح کر رہے ہیں اور ابو شحمہ جو ان افعال قبیحہ سے عند اللہ بری ہیں۔ انھیں ان کبائر میں ملوث کر کے اپنے وجود کے لیے قذف و اتہام کا عذاب خرید کر رہے ہیں۔ ان حضرات سے ملتمسانہ درخواست ہے کہ جب تک کسی واقعہ کی پوری چھان بین نہ کر لیں سٹیج پر ہرگز ہرگز بیان نہ فرمائیں۔

وما علینا الا البلاغ ؎

ٹیلیفون نمبر ۶۰۵۲۵

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۳۷

منظور شدہ محکمۂ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۲۱/۱۳۴۳ مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C/۲۲۷-۲۳۸ مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء
(۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۹/۹/۲۰۷۴۶-D.D.A مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۶۲ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ چٹھی نمبری O.M/۳۴-۱۵۳۱ مورخہ ۳ جون ۱۹۶۴ء

عبید اللہ انور پرنٹر و پبلشر نے [illegible] پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا